گولکنڈے کے ہیرے

از

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور

۱۹۳۷ء
مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس
حیدرآباد دکن

طبع اول

قیمت
۱۲

گولکنڈہ کے افسانوں کا پہلا حصہ

یعنی

سیر گولکنڈہ

پر رسالہ اردو بابتہ جولائی ۱۹۳۷ء کی تنقید

یہ بہت دلچسپ کتاب ہے اور دلچسپ طرز میں لکھی گئی ہے۔ اس میں تاریخ اور افسانہ اور واقعات اور تخیل کو اس خوبی سے سمویا ہے کہ قطب شاہی دور کی تصویر نظروں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ بڑی بڑی تاریخوں کے پڑھنے سے معلومات حاصل نہیں ہوتیں جو اس چھوٹی سی کتاب میں ہیں اور نہ وہ لطف اور کیفیت ہے جو اس میں ہے۔ اس وقت کی معاشرت کا رنگ بھی اس میں نظر آتا ہے۔

اس میں اس زمانہ کے بعض بادشاہوں شعرا اور مشاہیر کی تصویریں بھی ہیں جن سے کتاب کی دلکشی بڑھ گئی ہے۔

(مولوی عبدالحق بی اے)

۱۶ افسانے ۔ ۱۲ تصویریں ۔ ۱۶۰ صفحات ۔ ۱۵ ر قیمت

فہرست

دیباچہ
(صفحہ ۳ تا ۸)

فہرست تصاویر


27·X·36·

دیباچہ

جلوتیانِ مدرسہ کور نگاہ و مردہ ذوق — خلوتیانِ میکدہ کم طلب و تہی کدو
ہیں کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ — میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو
(اقبال)

سیر گولکنڈہ کی غیر متوقع مقبولیت سے معلوم ہوا کہ ہمارے ملک میں کھوئے ہوؤں کی جستجو کا ذوق پیدا ہوگیا ہے۔ ہم اپنی عظمتِ ماضی کی بنیادوں سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری اکثر تاریخیں بادشاہوں کی فتوحات، امرا کی سازشوں اور خانہ جنگیوں اور شہروں اور سلطنتوں کی آرائشوں یا ویرانیوں کے قصوں سے بھری پڑی ہیں۔ اُن کے مطالعہ سے اُن اسباب و وسائل کا بہت کم علم ہوتا ہے جن کے ذریعہ سے ہمارے اسلاف نے تہذیب و تمدن کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراحل آسانی سے طے کر لئے تھے جن کو دیکھکر بیرونِ ہند اور خاصکر یورپ سے آنے والے سیاح حیران رہ جاتے تھے اور اپنے سفرناموں اور یادداشتوں کو ہمارے ملک کی قصیدہ خوانیوں سے معمور کر دیتے تھے

اس امر کی بیحد ضرورت ہے کہ ہر ممکنہ مواد سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان کے مختلف اقطاع کی ایسی تاریخیں مرتب کیجائیں جنمیں بادشاہوں اور امیروں کے حالات کے ساتھ ساتھ عوام اور غریبوں کی زندگی نمایاں ہو، درباروں اور حرم سراؤں کی پر تکلف آرائش و زیبائش کے علاوہ بازاری اور پست مکانوں میں رہنے سہنے والوں کی معاشرت بھی ظاہر ہوسکے اور سب سے بڑھکر وہ اسرار بے نقاب کیے جائیں جن پر اس زمانہ کے لوگوں کے قلبی اطمینان اور راحت و آرام کا انحصار تھا۔ ان کا اخلاقی معیار کتنا بلند اور پختہ تھا۔ نیک نیتی، خلوص اور ہمدردی انکی زندگیوں کے اصلی مقاصد تھے۔ مذہبی رواداری اور امن پسندی انکی گھٹیوں میں پڑی تھی قلب و دماغ کی آزادی جتنی انکو نصیب تھی موجودہ نسلوں کو شاید ہی نصیب ہوسکے۔ غرض جب تک ان خوبیوں کے خاص خاص نمونے اور انکے اسباب و علل نہ پیش کیے جائیں ہماری تاریخیں اور درسگاہیں بیکار ہیں اور ہماری جدید نسلیں انکے ذریعہ سے ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونیکے گُر نہیں سیکھ سکتیں۔

گولکنڈہ کے یہ تاریخی افسانے اسی نقطۂ نظر سے لکھے جارہے ہیں۔ ان میں ہندوستان کے اہم خطۂ دکن کے قدیم حکمرانوں، امیروں اور عوام کے ایسے سچے کردار اور اصلی حالات زندگی پیش کیے جارہے ہیں جنکے مطالعے سے عہد حاضر کے

نوجوان اپنے ملک کی حقیقی عظمت سے واقف ہو سکتے ہیں اور اُس آزاد خیالی
مذہبی رواداری، بلند ہمتی، سخی، پیہم ایثار اور باہمی محبت کے سبق سیکھ سکتے ہیں
جن کی بنا پر ہمارے اسلاف نے تمام دنیا سے خراجِ تحسین حاصل کیا تھا۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارے ملک کے متعلق تاریخوں کے علاوہ یورپی
سیاحوں کے سفرناموں اور یادداشتوں میں بھی کافی معلومات درج ہیں۔ اور ان دونوں سے
زیادہ ہمارے ملک کے قدیم اُردو ادب میں یہاں کی معاشرت، عوام کی زندگی
اور دوسری ایسی پتہ پتہ کی باتیں محفوظ ہو گئی ہیں جو دنیا کے بہت کم ممالک کے
متعلق معلوم کی جا سکتی ہیں، اور سچ تو یہ ہے کہ قدیم طرز کی تاریخوں سے زیادہ کسی
قوم کی ادبی کتابوں ہی میں اُس قوم کے ذہنی کمالات اور قلبی کیفیات جلوہ گر
نظر آتے ہیں۔ آج سے ڈھائی سو سال قبل دکن میں جتنی اردو کتابیں لکھی گئی
تھیں بعد میں ہندوستان کے کسی خطہ میں اتنی کتابیں نہیں لکھی گئیں۔ سنہ ۹۰۰ ہجری
سے سنہ ۱۱۰۰ ہجری کے درمیانی دو صدیوں میں اس سرزمین میں علم و فضل اور شعر و
سخن کے سرچشمے ابل پڑے تھے اور کوئی صنفِ سخن یا کوئی موضوع ایسا نہیں
ہے جس کے وافر نمونے اس دور میں پیش نہ کئے گئے ہوں۔ اس عہدِ زرین کی
لکھی ہوئی سینکڑوں اعلیٰ پایہ کی اردو کتابیں اس وقت مکمل حالت میں محفوظ اور

اور سینکڑوں کے بچے کھچے آثار یا اُن کی نسبت معلومات حاصل ہیں۔ عہدِ حاضر کے بڑے بڑے انشا پردازوں اور محققوں نے اس دور کے ادب کو اُردو دنیا سے کافی روشناس کر دیا ہے۔

دکن کی کوئی مکمل تاریخ اس ادب کے مطالعہ کے بغیر نہیں لکھی جا سکتی۔

گولکنڈہ کے ان نیم تاریخی افسانوں کا مواد قدیم تاریخوں، یورپی سیاحوں کے سفرناموں اور یادداشتوں اور گولکنڈہ اور بیجاپور میں لکھی ہوئی ادبی کتابوں کے علاوہ اُن روایات سے بھی حاصل کیا گیا ہے جو اس ملک کے عہدِ حاضر کے باشندوں تک سینہ بسینہ منتقل ہوتی آ رہی ہیں۔ ان تمام ذریعوں سے مستفید ہونے کے بعد مصنف نے اپنے تخیل کی مدد سے ان افسانوں کو قلمبند کیا ہے۔ اسکی اصلی خواہش یہی ہے کہ اس طرح دکن کی قدیم زندگی بے نقاب ہو جائے اور اگر ان افسانوں کا مطالعہ پڑھنے والوں کیلئے دلچسپی کے سامان پیدا کر رہا ہے تو مصنف کی اس سے بڑھکر کامیابی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

رفعت منزل، خیریت آباد
۲۵ رجب ۱۳۵۶ ہجری
مطابق یکم اکتوبر ۱۹۳۷ء

سید محی الدین قادری زور



بالا

گولکنڈہ کی آخری رقاصہ

Golkemla
Kay' Heoto



بالا

گولکنڈہ کی آخری رقّاصہ

بالا گولکنڈہ کی وہ بدقسمت مہہ جبین تھی جس کے حسن و جمال اور رعنائیوں کا چرچا اسوقت شروع ہوا جب قطب شاہی سلطنت کا نیر اقبال غروب ہونے کو تھا۔ اس کی اٹھتی جوانی اس کی گلنار آنکھیں، اُس کے سڈول بدن کی اٹھان، اُس کا کندنی رنگ، اسکی سیلی آواز اور اسکی ایک ایک مستانہ ادا ظاہر کرتی تھی کہ وہ بھاگ متی اور تارامتی کی جانشین اور سچی جانشین ہے۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ حیدرآباد کی آخری عظیم الشان مغنیہ تھی اور اگر اس کے عین عنفوان شباب کے زمانہ میں قطب شاہی سلطنت کا چراغ گل نہ ہوجاتا تو بالا بھی "بھاگ وان" ثابت ہوتی، اس کا نام بھی حیدرآباد کی تاریخ کے ساتھ وابستہ ہوجاتا، اور رقص و سرود کے آسمان پر ایک اور ستارہ کا اضافہ ہوتا۔

وہ بارہ سال کی تھی جب پہلی دفعہ شاہی محل میں لائی گئی اور اس کے رقص و سرود نے خداداد محل کو گرما دیا۔ اس قدردان ماحول میں کوئی وجہہ نہ تھی کہ وہ اپنے حسن خداداد اور کمال فن کی داد حاصل نہ کرتی۔ ملکہ نے پہلے ہی مجرے میں زر و جواہر سے بھری ہوئی دو کشتیاں انعام میں عطا کیں اور بالا کو عمر بھر کے لئے مالا مال کر دیا۔ اسی طرح جب کبھی وہ محل میں آتی

توقع سے زیادہ انعام واکرام حاصل کرتی۔ حالانکہ ابھی بادشاہ کو اپنے کمالات سے محظوظ کرنے بالا
کی اسے عزت حاصل ہوئی تھی اور نہ شاہی داد و دہش سے سرفراز ہونے کا موقع ملا تھا۔

وہ اصل میں مادنا دیوان کے بھتیجے کے لئے زیور رقص و سرود سے سنواری جا رہی تھی اور دیوان ہی کے حکم سے ملکہ کی سالگرہ کے موقع پر دیوان کی طرف سے نغمۂ مبارکباد سنانے کیلئے محل میں روانہ کی گئی تھی۔

محاصرہ گولکنڈہ کے زمانہ میں جب دیوان ادنا کو شر انگیزوں نے قتل کر دیا تو اس کے دوسرے وابستگانِ دولت کی طرح یہ نازنین بھی گوشہ نشینی اختیار کرنے کے خیال سے گولکنڈہ کے خفیہ راستہ سے نکلی۔ اس کا وطن ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جو ستمدیدہ دیوان کی جاگیر میں واقع تھا۔ اتفاق سے شہزادہ معظم کے فوجیوں نے اس خانماں برباد قافلہ کو دیکھ لیا اور شہزادہ کے یہاں پکڑ لائے۔ اس عالمِ سراسیمگی میں بھی اس قافلہ کے ساتھ اتنا زر و جواہر تھا کہ اسکو دیکھکر شہزادہ معظم حیران رہ گیا۔ مگر وہ اس سیم و زر سے زیادہ بالا کے دلکش خد و خال اور حسن و جمال پر متحیر تھا۔ اس کے شائستہ لباس اور پاکیزہ ذوقِ آرائش کو دیکھکر اس نے بیک نظر خیال کیا کہ شاید یہ کوئی شاہزادی ہے مگر اس کی پیشانی کا ٹیکا اس کے ہندو ہونے کی چغلی کھا رہا تھا۔ میدان جنگ کی مصروفیت نے موقع نہ دیا کہ وہ اس قافلے اور اس کے پری جمال قافلہ سالار کے متعلق زیادہ پوچھ گچھ کر سکتا۔ رات میں جب فرصت ملی تو اپنے ملازم خاص کے ذریعہ سے بالا کو اپنے خیمہ میں بلا بھیجا اور ایسے التفات سے پیش آیا کہ بے خبر بالا سارا واقعہ بلا کم و کاست بیان کر دینے پر مجبور ہو گئی۔

شہزادہ نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا کہ :- "ہم تم کو دلّی لے جانا چاہتے ہیں اور توقع ہے کہ بالا تم بھی ہمارے دل کی ملکہ بنی رہوگی"۔

بالا دل ہی دل میں متردد تھی کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ وہ حواس باختہ ہوگئی اور کچھ بگڑ کر کچھ سنبھل کر یوں گویا ہوئی :-

"آپ ہمارے بادشاہ کے دشمن ہیں۔ آپ کی فوجوں نے ہمارے ملک کو ویران اور ہمارے گھروں کو بے چراغ کردیا ہے۔ آپ نے اتنے عرصہ سے دکن کے کوہستانوں کو میدانِ رستخیز بنا رکھا ہے پھر بھی آپ کو معلوم نہیں کہ جو شخص ایک دفعہ بھی تاناشاہ بادشاہ کا نمک کھالیتا ہے تو وہ پھر کسی اور کی غلامی پسند نہیں کرتا"۔

شہزادہ سٹپٹا گیا اور متعجب ہوکر پوچھا :-

"کیا تم نہیں جانتیں کہ تمہارا آقا مادنا دیوان تاناشاہ ہی کے اشارہ سے قتل ہوا ہے پھر بھی تعجب ہے کہ تم اس کے نمک کا پاس کرنا چاہتی ہو"۔

بالا نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا :- "صاحب عالم ایسا ارشاد نہ فرمائیں آپ ہمارے بادشاہ پر اتنا بڑا الزام نہیں لگا سکتے۔ گولکنڈہ یا حیدرآباد میں کوئی انسان آپ کو ایسا نہ ملے گا جو اس ہردلعزیز بادشاہ کے خلاف اس طرح کا ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکے۔ اور اگر واقعی تاناشاہ نے میرے آقا کے قتل کا حکم دیا ہے تو کیا تعجب کہ میرا آقا اس سزا کا مستحق ہو۔ ہم تو ہمیشہ یہی سمجھتے رہیں گے کہ ہمارے آقا نے اپنے آقا کی راہ میں جان دیدی۔ اور ہم میں سے ہر شخص ہر وقت یہی کرنے کے لئے تیار ہے"۔

بالا
شہزادہ بالا کی اس بے باکانہ گفتگو پر حیران تھا۔ اس کے ذہن میں نہ آسکتا تھا کہ ایک طوائف کی تربیت اور ذہنی نشو ونما ایسی اعلےٰ پایہ ہو سکتی ہے۔ وہ بھاگ متی اور پدماوتی کے حسن و جمال کی شہرت اور اُن کے رقص و سرود کے کمالات کے قصے سن چکا تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ گولکنڈہ کے شاہی طوائف کا ذہنی ارتقا اور معیار زندگی اسقدر بلند ہوتا ہے۔ اس نے اب ایک دوسرے طریقہ سے اس مہ جبین کو پھانسنا چاہا۔ اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا کہ:۔

"تم مغلوں کی اصلی شان و شوکت سے واقف نہیں ہو۔ گولکنڈہ والوں نے ہم کو اپنے اصلی رنگ میں نہیں دیکھا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ شہنشاہ کی مسلسل معرکہ آرائیوں اور خونریزیوں کی وجہہ سے تمہیں ہماری ہیبت اور جنگجوئی کی قوتوں کو آزمانے کا موقع ملا ہے۔ تم لوگ نہیں جانتے کہ ہم شبستان محبت میں حریر و پرنیاں سے زیادہ نرم بن جاتے ہیں۔"

پھر ذرا نرم ہو کر یوں گویا ہوا:۔ "بالا تم اپنے دل سے ہر قسم کا خطرہ دور کردو۔ اور خوش خوش میرے ساتھ چلو۔ دلّی دیکھکر تم گولکنڈہ کو بالکل بھول جاؤ گی۔ گولکنڈہ اب تم جیسی پری جمالوں کی قدر نہ کرسکے گا۔ اور سچ تو یہہ ہے کہ تم شاہوں اور شاہنشاہوں کے دربار کے لایق ہو۔ تمہارا نام بھی بالا ہے اور شاید یہہ مصرعہ تمہارے ہی لئے کہا گیا تھا کہ ع

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز   مادنّا تو مارا ہی جاچکا ہے۔ نہ معلوم اسکے بھتیجے کا کیا حشر ہوا ہے تم اس ذلیل ہستی کے خیال میں........."

شہزادہ اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ سرمست شباب بالا کا جذبۂ خود داری شعلہ کی طرح بھڑک اٹھا اس نے جھلّا کر کہا کہ:۔ "آپ ایسا نہ فرمائیے۔ مغل ایک طوائف کی کیا قدر کرسکتے ہیں

بالا

جب انہوں نے ایک بلند مرتبت شہزادی کی کچھ قدر نہ کی میری ملکہ کی سگی بہن سلطان عبداللہ کی منجھلی شہزادی آپ ہی کے بھائی سے بیاہی جا چکی تھی اور جس گھڑی وہ نیک بخت شہزادی اس قلعہ کے دروازہ سے باہر نکلی اسی وقت سے خیر و برکت اور امن و عافیت نے بھی ہمارے پیارے قلعہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔"

مغل شہزادہ سراسیمہ تھا۔ وہ پہلے ہی بالا کے حسن و جمال کے رعب میں اپنا شاہی وقار کھو بیٹھا تھا۔ گولکنڈہ کی اس نوخیز مطربہ کی شوخ و شنگ آنکھوں نے اس پر پہلے ہی جادو کا سا اثر کیا تھا۔ اب جو اس بلا نے کڑک کر گفتگو شروع کی تو اسکو اپنے والد شہنشاہ اورنگ زیب کے جاسوسوں کے خوف نے لرزہ براندام کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ شہنشاہی جاسوس اُس کی ہر نقل و حرکت پہ نظر رکھتے ہیں کیونکہ شہنشاہ کو شبہ ہو گیا تھا کہ وہ تاناشاہ سے مل گیا ہے۔ اس نے دبی زبان سے کہا:-

"بالا تمہاری گفتگو نے مجھے اور زیادہ تم پر مائل کر دیا ہے۔ میں آج رات اس خیال کی صداقت کا قائل ہو گیا کہ ع بسا کین دولت از گفتار خیزد۔ میں تمکو ایک رات کی مہلت دیتا ہوں اگر کل اس وقت تک تم بخوشی راضی نہ ہو جاؤ گی تو ہم مجبور ہو جائیں گے کہ قیدیوں کی طرح دلّی کی طرف روانہ کر دیں۔"

مصیبت زدہ بالا رات بھر سر بگریباں رہی۔ صبح ہوتے ہی شہزادہ نے اپنے ملازم خاص کے ذریعہ سے مطلع کر دیا کہ "سب قیدی دلی کو روانہ کر دیئے جائیں گے اگر بالا بخوشی اپنے آپ کو شہزادہ کے سپرد نہ کر دے۔"

بالا نے جواب میں کہلا بھیجا کہ: "اگر صاحب عالم کا ایسا ہی منشاء ہے اور وہ اسی طرح جبر و تعدی پر اتر آئے ہیں تو ہمیں بھی کچھ کرنا ہی پڑے گا"

جیسا جیسا دن چڑھتا گیا مغل فوجوں کی مصروفیت بڑھتی گئی۔ آج سرنگ کے ذریعہ سے قلعہ کی فصیل مسمار ہونے والی تھی اور مغل فوج کی ایک بڑی جماعت اسی سمت جمع ہوگئی تھی جہاں سے فصیل میں رخنہ پڑنے والا تھا تاکہ راستہ ملتے ہی قلعہ پر فوراً حملہ کر دیا جائے۔ سرنگ کی بتّی کو آگ لگانے کا وقت گذر چکا تھا۔ سب سر اٹھائے ہوئے فصیل کی طرف دیکھ رہے تھے اور منتظر تھے کہ اب سرنگ اڑے گی اور حملہ کا آغاز ہوگا۔ اتنے میں ایک بڑے دھماکہ کے ساتھ خود مغل فوجوں کے نیچے کی زمین شق ہوئی اور سیکڑوں سپاہی اور گھوڑے اور ہتیار گرد و غبار کے ساتھ ہوا میں اڑتے ہوئے نظر آئے۔ اہل گولکنڈہ کو مغلوں کی سرنگوں کا پتہ چل گیا تھا اور انہوں نے پہلے ہی سے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ چاہ کنندہ را چاہ درپیش کی مثل صادق آجائے۔ چنانچہ سیکڑوں مغل سپاہیوں کے علاوہ متعدد بڑے بڑے افسر اور سرداران فوج بھی یا تو سرنگوں میں زندہ درگور ہوگئے یا سخت زخمی ہوئے۔ شہزادہ معظم اور اسکے ساتھیوں کو ان آفت زدوں کی دستگیری میں ہمہ تن مصروف رہنا پڑا اور اسکے خیموں اور نو گرفتار شدہ قیدیوں کی کافی نگرانی نہ ہو سکی۔ بالا نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر خیمہ کے پاسبان کو ایک ہیرے کی انگوٹھی دکھاتے ہوئے کہا:-

"اگر تم شہنشاہ اورنگ زیب تک ہماری اس حالت زار اور ہمارے مال و متاع کے لوٹ کھسوٹ کی خبر پہنچا دو تو یہ بیش بہا انگوٹھی تمہاری نذر ہے۔"

پاسبان سپاہی نے پہلے تو صاف انکار کر دیا لیکن بالا اور اسکے ساتھیوں کی منت سماجت اور ترغیب و تحریص سے آخر کار رضامند ہو گیا۔ اور اپنی جگہ ایک دوسرے سپاہی کو متعین کر کے شہنشاہ کے جاسوسوں تک یہ خبر پہنچا دی

شہزادہ معظم تمام دن کی پریشانیوں سے تھکا ماندہ اپنے خیمہ میں واپس ہوا تھا اور ابھی بالا کا خیال بھی نہ کرنے پایا تھا کہ شہنشاہی حکم آپہنچا اور شہزادہ کو مجبوراً قیدیوں کے علاوہ ان سے حاصل کیا ہوا تمام زر و جواہر بھی بارگاہ سلطانی میں روانہ کر دینا پڑا۔ بالا نے چلتے چلتے اس مغل سپاہی کو ادہر ادہر دیکھا تا کہ اس کا موعودہ انعام یعنے گراں بہا ہیرے کی انگوٹھی اسکو عطا کر دی جائے مگر اسکا پتہ نہ چلا۔ وہ بے چارہ آفت کا مارا شہنشاہ کے جاسوسوں کے پاس مخبری کر کے ہیرے کی انگوٹھی کی توقع میں واپس ہو رہا تھا کہ خود شہزادہ کے جاسوسوں نے اسکو گرفتار کر لیا

جب دوسرے روز صبح میں شہزادہ نے معلوم کیا کہ بالا کس ہوشیاری سے اسکے قبضہ سے نکل گئی ہے تو بے حد خشمناک ہوا اور اپنے جاسوسوں کے ذریعہ سے اسکے پاس کہلا بھیجا کہ "یاد رہے ایک روز اس فریب کا ضرور بدلہ لیا جائیگا"

اورنگ زیب نے ان قیدیوں کو دو چار روز تک ٹھہرائے رکھا اور کوشش کی کہ قلعہ کے حالات معلوم کرنے میں ان سے مدد لی جائے مگر جب دیکھ لیا کہ یہہ لوگ اسکے کسی کام کے نہیں ہیں تو ایک رات ان کو لشکر سے باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ بالا اور اسکے ساتھی رات کی تاریکی میں کچھ اسطرح غائب ہو گئے کہ شہزادہ معظم کے جاسوسوں کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی۔

— ۲ —

اس واقعہ کو ایک عرصہ گذر چکا۔ اس اثنا میں گولکنڈہ کی اینٹ سے اینٹ بج چکی تھی شہزادہ معظم اور شہنشاہ اورنگ زیب ایک عرصہ قبل اس رشک فردوس کوہستان کو ایک وحشت خیز

گولکنڈے کے ہیرے
خرابہ کی شکل میں چھوڑ گئے تھے۔ اورنگ زیب کا چہیتا شہزادہ کام بخش حیدرآباد کے بالا
مشہور آفاق خداداد محل کے ایک عقبی دالان میں ٹہل رہا تھا۔ اسکو مستقبل کی فکر دامن گیر
تھی۔ اس عظیم الشان محل کا گوشہ گوشہ اپنی عظمت گذشتہ پر نوحہ خوانی کرتا نظر آرہا تھا۔
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک نئی نویلی اور آراستہ و پیراستہ دلہن یکایک بیوہ ہوگئی ہے اور اس کا
تمام سنگھار اسکے سہاگ کے ساتھ ختم ہوگیا ہو۔ لیکن اس تباہی کے باوجود اسکے نوعروسی کے آثار باقی ہیں

کام بخش کے مضطرب دل کو اس ستم زدہ ماحول اور اجڑے دیار کا چپہ چپہ ہر گھڑی
ایک نئی ٹھیس لگاتا تھا۔ جب کبھی کسی دروازہ یا کھڑکی کے اکھڑے ہوئے زرین یا ہاتھی دانت کے
نقش و نگار یا چھتوں، محرابوں، اور دیواروں کے طلاکار حاشیوں کے باقی ماندہ آثار پر اسکی
نظر پڑتی تو اس کی وحشت میں اور اضافہ ہوجاتا۔ وہ کبھی اپنے نعمتمند باپ کی ظالم فوجوں اور اسکے
متعین کردہ صوبہ داروں کی ان تباہ کاریوں پر افسوس کرتا اور کبھی قطب شاہی حکمرانوں کے
ذوق لطیف اور سلیقۂ زندگی کی بے تحاشہ تعریف اسکے منہ سے نکل پڑتی۔

اس ویران شہر کی رونق اور تباہ و برباد ملک کی آسودہ حالی کے لئے وہ اس وجہ سے
فکرمند تھا کہ اسکو وہ اپنا پایہ تخت بنا کر اپنے باپ کی زندگی ہی میں اپنی بادشاہت کا اعلان کرنا
چاہتا تھا مگر بار بار اسکو یہی خیال ستاتا تھا کہ مغل فوجوں نے اسکو اس بری طرح تباہ کیا ہے
کہ اس کا اب عرصہ دراز تک اصلی حالت پر پہنچنا مشکل ہے۔ اس کی دولت و ثروت پوری
طرح غارت ہوچکی ہے اور برسوں یہ شہر لٹتا رہا ہے۔ تاہم کام بخش کو توقع تھی کہ اس خرابہ
میں بھی کوشش سے اتنی دولت مل سکے گی کہ اس کے ذریعہ سے وہ اپنے کو اپنے بھائیوں کے

بالا
مقابلہ میں مستحکم کر سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اہل حیدرآباد کو شہر میں لاکر بسانے کیلئے دور دور تک اپنے جاسوس پھیلا دئے تھے اور جو کوئی خوشی سے نہ آتا اس کو مجبور کر کے قیدیوں کی طرح شہر میں لایا جاتا تھا۔ اور ہر ایک کو لالچ دے کر یا ڈرا دھمکا کر قطب شاہیوں کے مخفی دفینوں اور غیر معمولی ذرائع آمدنی کے بتانے پر مجبور کیا جاتا تھا چنانچہ بعض گھر کے بھیدیوں نے کچھ پتے بھی بتائے مگر کھوج لگانے سے معلوم ہوا کہ ؎

حریفاں بادہا خوردند و رفتند   تہی خم خانہا کردند و رفتند

اس قسم کی کوششوں سے ناامید ہو کر اب کام بخش ایک اور ہی اُدھیڑ بن میں تھا کہ ٹہلتے ٹہلتے اسکی نظر اس در و دیوار شکستہ کے باقی ماندہ نقش و نگار پر ایک ایسی جگہ جم گئی جہاں کوئی غیر معمولی نقوش نظر آ رہے تھے۔ اس نے فوراً دیوار کے قریب ہو کر محراب کے اوپر اپنی لکڑی سے دو چار جگہ مار کر دیکھا معلوم ہوا کہ دیوار کھوکھلی ہے۔ وہ خوشی کے مارے اچھل پڑا فوراً اپنے ملازمین کو آواز دی۔ شام تک زر و جواہر کے کئی قلمدان اس مخفی تابدان سے نکل آئے کام بخش کی شادکامی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس کی ہمت بڑھ گئی۔ اس نے جگہ جگہ دیواروں کو کھدوانا شروع کیا اگرچہ یہ دیواریں پہلے ہی عالمگیری احکام کی بناء پر توڑ پھوڑ دی گئی تھیں کام بخش کی کھدائیوں نے ان کہنہ زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ اور خداداد محل کے بچے کھچے نقش و نگار بھی حرف غلط کی طرح مٹا دئے گئے۔

ابھی یہ تباہ کاریاں جاری تھیں کہ ایک روز ایک کمرے میں ایک بہت بڑی چھپکلی نظر آئی۔ کام بخش کے خادموں نے اسکا پیچھا کیا۔ وہ تیزی سے چھت کی طرف بڑھ گئی

گولکنڈہ کے ہیرے

بالا

اور ایک سوراخ میں گھس پڑی۔ اسکو وہاں سے نکالنے کی کوشش جاری تھی کہ چھت سے اشرفیاں برسنے لگیں۔

اس غیبی امداد نے کام بخش کی ساری فکریں دور کردیں۔ اس نے اب عیش وعشرت کا بازار گرم کیا۔ اور جیسے جیسے اسکی بزم طرب کی رونق بڑھتی جاتی تھی قطب شاہیوں کی شان وشوکت اور ذوق لطیف کے باقی ماندہ آثار مٹتے جاتے تھے۔ اگرچہ وہ اس عظیم الشان محل کے ایک چھوٹے سے گوشہ میں مقیم تھا اور اگر وہ چاہتا تو اس حصہ کو منہدم ہونے سے بچا لیتا لیکن ایک الشان اپنے لالچ کے مقابلہ میں تہذیب وشائستگی کے بڑے سے بڑے خزانے کو بھی اہمیت نہیں دینا چاہتا۔ اس نے اپنے قیام کے لئے اپنے محل سے قریب ہی بادشاہی عاشورخانہ کے محاذی ایک حویلی کی تعمیر کا حکم دیا اور اس طرح اس عظیم الشان قطب شاہی محل کے پتھروں اور چوبینہ سے ایک چھوٹا سا مکان تعمیر کیا گیا جو قطب شاہوں کے عالی شان اور بلند محلات کے مقابلہ میں کسی غریب کی گڑیوں کا ایک بدوضع گھروندا نظر آتا تھا۔

اورنگ زیب عالمگیر نہایت مدبر اور فرس حکمران تھا۔ اس نے معلوم کرلیا کہ کام بخش کو چھوڑی ہوئی ہڈیوں سے بھی غیر متوقع دولت حاصل ہو رہی ہے تو اسکو گوارا نہ ہوا کہ اپنے حق شہنشاہی سے دستبردار ہو جائے اس توقع سے کہ شہزادہ خوف زدہ ہوکر اس دولت کا کچھ نہ کچھ حصہ اسکے یہاں ضرور روانہ کردے گا اس نے اپنے سعادت مند فرزند کو خط لکھا کہ "قطب شاہیوں کے عالی شان محلات کے موجود ہوتے ہوئے اپنے لئے ایک چھوٹی سی حویلی بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟" کام بخش بھی آخر اورنگ زیب ہی کا بیٹا تھا۔ اسنے ایک ایسا جواب دیا کہ باپ کو ساکت ہی رہتے بنی

اطاعت گذار فرزند نے لکھا کہ "قطب شاہوں کے محل ایسے وسیع اور عظیم الشان ہیں کہ ان میں رہ کر ان کو بارونق رکھنا اور ان میں روشنی کا انتظام کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ یہہ انہی صاحب ہمت بادشاہوں کا حوصلہ تھا کہ انہوں نے بڑے بڑے محلوں کو رشک فردوس بنا رکھا تھا۔"

ابھی شہزادہ کام بخش خداداد محل ہی میں مقیم تھا کہ اسکے جاسوس جو قدیم اور باخبر حیدرآبادیوں کی تلاش میں پھر رہے تھے ایک دور دراز کے گاؤں سے ایک طوائف کو پکڑ لائے۔ جب وہ کام بخش کے حضور میں پیش کی گئی تو بے اختیار اسکی زبان سے نکلا:۔

"یہہ کون ہے؟ میں نے آج تک ایسا حسن ملیح نہیں دیکھا! کیا اس خرابہ میں ایسے ہیرے اب بھی موجود ہیں؟"

جب اسکو مطلع کیا گیا کہ یہہ ایک طوائف پیشہ عورت ہے اور دیہات والے اسکو آسمان گولکنڈہ کا آخری ستارہ سمجھتے ہیں۔ تو کام بخش نے اسکی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ:۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

اُس رقاصہ نے سکتے رکتے جواب دیا کہ:۔

"اِس ناچیز کو بالا کہتے ہیں!"

"بالا! کیا تم وہی بالا ہو جسکی یاد میں شہزادہ معظم ایک زمانہ تک بے چین رہا کرتے تھے؟"

"جی ہاں صاحب عالم میں وہی بالا ہوں برگشتہ قسمت!"

"مگر تم اتنے عرصہ تک کہاں چھپی رہیں؟ شہزادہ معظم کے جاسوس مہینوں تمہاری تلاش میں سرگرداں رہے! کیا تمہیں میری دلچسپیوں کی بھی خبر نہ ہوئی۔ میں تو اس خرابہ آباد میں ایک اچھی مطربہ کیلئے ترس گیا

اور اب تو نا امید بھی ہو چکا تھا۔ کیا اچھا ہو کہ ابھی گرتی بزم کا سامان ہو جائے کوئی اچھی سی چیز سناؤ کہ ہم بھی خوش ہو جائیں بالا“

بالاؔ نے دمِ سرد بھر کر کہا:۔

”صاحبِ عالم! ابھی آپ گرم و سرد زمانہ سے واقف نہیں ہیں۔ ایک خفتہ بخت دکھیا سے کیونکر توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ کسی کی بزم کو گرما سکے گی۔ میں اس قابل نہیں ہوں، اور اگر ہوتی بھی تو یقین مانئے کہ دنیا کی کوئی قوت مجھے اس جگہ گانے پر مجبور نہ کر سکتی۔ پھوٹ جائیں یہ منحوس آنکھیں جنہوں نے کبھی اس جگہ کو رشکِ ارم دیکھا تھا اور آج اس ویران حالت میں دیکھ رہی ہیں...... صاحبِ عالم مجھے معلوم ہے کہ آپ مجھے ہر طرح سے مجبور کرنا چاہیں گے لیکن آخر میری مجبوری بھی تو قابلِ لحاظ ہے! میں صاف صاف کہدینا چاہتی ہوں کہ اگرچہ میں ایک ادنےٰ طوائف ہوں لیکن اپنے دل اور اپنے جذبۂ وفاداری سے مجبور ہوں۔ میں نے جب کبھی اس محل میں قدم رکھا اپنی محبوب ملکہ کے قدمبوس ہونے کے لئے آئی تھی۔ وہ منظر میری آنکھوں میں اب بھی موجود ہے جب شاہنشاہ عالمگیر نے بیجاپور کو فتح کر کے گولکنڈہ کا رخ کیا تھا اور یہ منحوس خبر اس وقت ملکہ کے گوش گذار ہوئی تھی جب کہ انہوں نے اپنی سالگرہ کی تقریب میں میرے آقا مادنّا دیوان سے فرمائش کر کے مجھے چوتھی بار محل میں طلب کیا تھا اور میرا مجرا سن رہی تھیں۔ چنانچہ جونہی وہ منحوس خبر انہوں نے سنی میری طرف مخاطب ہو کر اندوہناک انداز میں فرمایا کہ:۔ لو بالاؔ اب تو ہم یہاں سے جاتے ہیں۔ تم رہو گی اور کسی روز اسی جگہ ہمارے دشمنوں کی بزمِ طرب کو بھی گرماؤ گی“۔

میں اور میری نائکہ دونوں نے آگے بڑھ کر اپنی ملکہ کی بلائیں لیں اور کہا:۔

نا لکنی ہم جیسی ہزاروں لونڈیاں آپ پر سے قربان ہوجائیں۔ آپ ایسا کلمہ اپنی زبان سے کیوں نکالتی ہیں؟ گونگی ہوجائے وہ زبان جو آپ کے بعد اس جگہ کوئی راگ الاپے اور کٹ جائے وہ گلہ جو کسی اور کے لئے اس محل میں آواز......"

بالا کے قدم لڑکھڑا گئے۔ وہ بُری طرح بل کھا کر گری۔ وہ دالان کی سب سے بلند سیڑھی پر کھڑی تھی اور قبل اسکے کہ کوئی شخص اس کو تھامے دالان کی سیڑھیوں پر سے گرتی ہوئی نیچے صحن تک پہنچ گئی۔ اس کی گردن اور کمر میں سخت چوٹ آئی۔ شہزادہ نے حکم دیا کہ بالا کو اس کے اصلی مکان میں ٹہرایا جائے اور شاہی طبیب اسکا معالجہ کریں۔ اس حادثہ کا بالا پر اتنا اثر پڑا کہ وہ عرصہ تک بستر علالت پر دراز رہی۔

اس اثناء میں خود شہزادہ اُس راہ سے گذرتے ہوئے دو چار دفعہ اُسکے مکان پر بھی اسکی عیادت کے لئے ٹہرا۔ جب وہ اچھی طرح صحت مند ہوگئی تو کام بخش شاہی محل چھوڑ کر اپنی جدید حویلی میں منتقل ہوچکا تھا۔ اب اس نے بالا کو بلا بھیجا اور گانے کی فرمائش کی۔ اس اثنا میں بالا جوان سال شہزادہ کے حسن اخلاق، شگفتہ مزاجی اور رعب مردانہ سے متاثر ہوچکی تھی اسکے علاوہ انکار کرنے کی یوں بھی کوئی وجہہ باقی نہ رہی تھی۔ اس نے بسروچشم منظور کیا مگر اس شرط کے ساتھ کہ شہزادہ اسکے رقص وسرود سے خوش ہوکر اسکو کوئی انعام واکرام نہ دے۔

کام بخش بالا کے کمال فن سے اتنا محظوظ ہوا کہ اس کے واپس جانے کے بعد شایانِ شان انعام واکرام سے سرفراز کرنا چاہا اور جب اسکے ملازمین اس سرفرازی کے ساتھ اس کے مکان پر پہنچے تو اس نے شاہی خدمتگاروں کو جوں کا توں واپس کردیا۔ سبھوں نے اس کو سمجھایا کہ

یہ نہ صرف سوء ادب ہے بلکہ خلاف مصلحت بھی۔ مگر بالا کب ماننے والی تھی۔ اس نے صاف صاف انکار کر دیا اور کہلوا بھیجا کہ: "فسخ معاہدہ کرنا شاہزادوں کے شایان شان نہیں ہے۔" کام بخش حیران تھا۔ اور اس کی حیرانی رفتہ رفتہ غصہ میں تبدیل ہوتی گئی۔ ایک شہزادہ کے لئے اس سے بڑھکر ذلت اور کیا ہو سکتی تھی۔ اس کو ایسی عجیب و غریب ذہنیت کی رقاصہ سے پہلی ہی بار سابقہ پڑا تھا۔ لیکن بالا کی شخصیت اور غیر معمولی حسن و جمال نے اس کو ضبط سے کام لینے پر مجبور کیا۔ چند روز بعد اس نے اس مغرور رقاصہ کو سرِ دربار طلب کیا اور پوچھا کہ:۔

"تم سے ایسی نازیبا حرکت کیونکر سرزد ہوئی؟ اگر تمہاری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو سخت سے سخت سزا پاتا۔ میں حیران ہوں کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"

بالا نے شہزادہ کے غصہ کو بڑھتا ہوا دیکھکر دست بستہ عرض کیا:۔

"حضور قصور معاف اگرچہ اصل میں قصور میرا نہیں ہے۔ میں نے تو پہلے ہی سے شرط منظور کرالی تھی کہ صاحب عالم سرفراز فرمانے کا خیال نہ فرماویں تو مجرے کیلئے حاضر ہوں!"

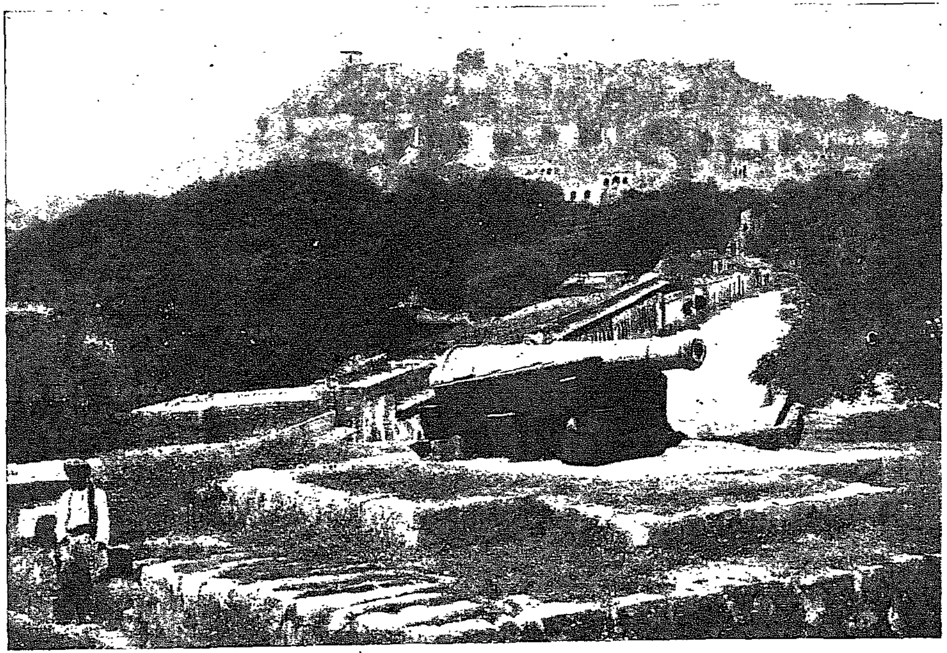
شہزادہ نے خشمگین ہو کر کہا:۔

"مگر شاہی انعام و اکرام قبول نہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اسکی آخر کوئی وجہہ بھی ہو؟"

"حضور اگر یہی وجہہ پہلے ہی شرط منظور کرتے وقت دریافت فرما لیتے تو آج بات اس حد کو نہ پہنچتی۔ اب بھی میں اصل وجہہ کہنے تیار ہوں بشرطیکہ ناگوار خاطر نہ ہو۔"

شہزادہ نے بات کاٹ کر کہا:۔ "اس واقعہ سے بڑھکر بھی ناگوار خاطر کوئی اور بات باقی ہے؟"

بالا نے مودبانہ انداز میں کہا:۔



قلعہ گولکنڈہ کا ایک عام منظر

"صاحب عالم! ناگوار اور گوارا کے درمیان کوئی حدِ فاصل بھی ہے! ایک ہی بات کسی وقت ناگوارِ خاطر ہو جاتی ہے اور کسی وقت گوارا کرلی جاتی ہے۔ اس کا تعلق کسی بات یا چیز سے زیادہ گوارہ یا ناگوارہ سمجھنے والے کی کیفیت اور حالت پر منحصر ہے" بالا کی طرزِ گفتگو اور حسن و جمال کی موہنی کچھ ایسی تھی کہ شہزادہ کے دل کو اس نے بھیرے سے موہ لیا۔ اس نے نہایت اخلاق سے پوچھا:۔

"میں اصل وجہہ معلوم کرنے کا کئی روز سے مشتاق ہوں بہتر یہہ ہے کہ تم منطقی بحثوں کی بجائے وہی بیان کرو جو بات سچی ہے"

بالا نے مجبور ہو کر با دل ناخواستہ کہا:۔

"حضور یہہ بھی کوئی کم بے ادبی کی بات نہیں ہے مگر حکم محکم سے مجبور ہوں۔ جس وقت مجھے یہہ معلوم ہوا کہ شہنشاہ اورنگ زیب نے فتح گولکنڈہ کے بعد میری ملکہ یعنے زوجہ تانا شاہ بادشاہ کو اپنا امیدوارِ فضل و کرم بنا کر پچیس روپیہ چلنی ماہوار مقرر کی ہے اسی وقت سے قسم کھالی ہے کہ آئیندہ سے کبھی کسی سے کوئی رقم نہ لوں گی۔ صاحب عالم ملکہ گولکنڈہ اور صرف پچیس روپیہ ماہوار! شہنشاہ کو شاید یہہ خبر نہ تھی کہ ملکہ ایک ایک وقت میں ہم جیسی کنیزوں کو ایسا انعام سرفراز کیا کرتی تھیں کہ اس سے ہم تمام عمر کے لئے خوشحال ہو جائیں اور صرف ایک ہی وقت کا انعام اتنا ہوتا کہ اس سے پچیس روپیہ ماہوار پانے والے بیسیوں ملازم ہمیشہ کے لئے مامور کئے جا سکتے تھے جس ملکہ نے ایسی داد و دہش کی ہو اسکو صرف پچیس روپیہ چلنی ماہوار مقرر کرنے سے جو روحانی صدمہ ہوا ہوگا اس کا اندازہ آپ شاید ہی کر سکیں۔ اس واقعہ سے ہم لونڈیوں کے دل پر ایسا زخم لگا ہے جو تادم واپسیں ہرا رہے گا

بالا

حضور ہم کیونکر انعام و اکرام قبول کریں جب معلوم ہے کہ ہماری انعام و اکرام سے سرفراز کرنے والی آج پچیس روپیہ چلنی میں زندگی بسر کر رہی ہے"!

کام بخش پر اس دردناک بیان کا اتنا اثر ہوا کہ وہ فوراً مجلس سے اٹھ گیا غمزدہ بالا بھی روتی ہوئی اپنے مکان کو واپس ہوئی۔

اس واقعہ کے چند ماہ بعد کام بخش کی سالگرہ کی تقریب بڑی دھوم دھام سے منائی گئی اور اس جشن میں بالا نے شہزادہ کو اپنے کمالات سے اور بھی مسحور کر دیا۔ اب ان دونوں نے ایک دوسرے کو سمجھ لیا تھا۔ جوان سال شہزادہ کے مردانہ حسن اور رنگین طبیعت نے ماہ پیکر بالا کے شباب کی بجھتی ہوئی چنگاریوں کو چمکا دیا وہ عہد ماضی کو بھول چکی تھی۔ مادنا کا بھتیجا جس کا گوشہ خلوت گرم کرنے کے لئے وہ تیار کی گئی تھی اب اس کے لئے خواب وخیال ہوتا جا رہا تھا۔ حیدرآباد آنے کے بعد پوچھ گچھ اور تلاش وجستجو سے اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ شہزادہ معظم کے سپاہیوں نے فتح گولکنڈہ کے بعد سب سے پہلے اسی بدقسمت نوجوان کو قتل کیا تھا۔ ورنہ وہ یہ سمجھتی تھی کہ شاید وہ بھی اس کی طرح کہیں روپوش ہے اور ایک نہ ایک روز اس سے ضرور آملے گا جب وہ کئی سال قبل رات کی تاریکی میں اورنگ زیب کے حکم سے مغل فوج کے پڑاوے سے باہر نکل رہی تھی تو بار بار پلٹ پلٹ کر قلعہ گولکنڈہ کی طرف دیکھتی جاتی تھی دور پہنچکر جب ہشت محل کے قریب سے اس نے گولکنڈہ کی طرف نظر ڈالی تو تاریک آسمان کے نیچے اس کو ایک منور آسمان دکھائی دیا۔

جس پر جگہ جگہ قطب شاہی محلات، بالا حصار کی عمارتوں، امرا و عمائدین کے مکانوں اور بارونق بازاروں کے چراغ ستاروں کی طرح جگمگا رہے تھے۔ انہی روشن ستاروں میں ایک اُس کے نوجوان محبوب اور اس کے دھڑکتے ہوئے دل کے مالک کے مکان کا چراغ بھی تھا۔ جس کا خیال آتے ہی اسنے اپنے فرقت زدہ دل کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اسکو توقع تھی کہ وہ بہت جلد اس رشکِ فردوس قلعہ کو واپس آئے گی اور اپنے محبوب کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو منور کر سکیگی۔ مگر وہ اُس وقت تک انقلاباتِ دہر سے ناآشنا تھی۔ اُس کو کیا خبر تھی کہ جب دوبارہ اسکی نظر گولکنڈہ پر پڑے گی تو یہہ منتخب روزگار آبادی ایک کھنڈر سے زیادہ اہمیت نہ رکھتی ہو گی چنانچہ کئی سال بعد جب سرِ شام وہ کام بخش کے سپاہیوں کے جھرمٹ میں قیدی کی طرح حیدرآباد آ رہی تھی تو راستہ میں دور سے اس کو ایک خاک کا بلند تودہ آسمان کی طرف اٹھتا ہوا دکھائی دیا۔ اسنے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ:۔

"یہہ کون مقام ہے؟ ہم اب کس طرف کو جا رہے ہیں؟"

کام بخش کے سپاہیوں نے تمسخرانہ لہجہ میں جواب دیا:۔

"یہی تو وہ گولکنڈہ ہے جس پر تم لوگوں کو اتنا ناز ہے!"

۳

جب شہزادہ معظم کو بالا کے حیدرآباد میں موجود ہونے کی خبر پہنچی تو اسنے اپنے آدمی روانہ کئے اور کہلا بھیجا کہ "تمہارا گذشتہ قصور معاف کر دیا جاتا ہے۔ اگر تم

اپنی خیر چاہتی ہو تو ان کے ہمراہ فوراً چلی آؤ ورنہ سخت باز پرس کی جائیگی۔"

بالاؔ نے جواب دیا :-

"میں برسوں کے بعد ابھی ابھی حیدرآباد آئی ہوں اور اب تو مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ پھر جیتے جی یہاں سے نکلوں۔"

اِس اثناء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر غازی کا انتقال ہو گیا اور اس کے ہر فرزند نے اپنی اپنی جگہ اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ کام بخش کے جشن تخت نشینی میں بالاؔ نے دل کھول کر اپنے کمالاتِ رقص و سُرود دکھائے وہ مسرور تھی کہ حیدرآباد پھر سے ایک بادشاہ کی تخت گاہ بن گیا ہے۔ نہ صرف بالاؔ بلکہ تمام اہل حیدرآباد کو اس کی مسرت تھی کہ اُن کے ملک میں پھر سے بادشاہی کا آغاز ہو گا۔ کام بخش اپنے زمانۂ قیام میں اس قدر ہر دلعزیز ہو چکا تھا کہ سب اُس کو اپنا بادشاہ تصور کرنے لگے تھے اور چاہتے تھے کہ اس کی سلطنت کو استحکام ہو اور اس کے ذریعہ سے دوبارہ حیدرآباد اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو حاصل کرے۔ لیکن حیدرآباد کی گلیوں اور سڑکوں کی قسمت میں تو ابھی کئی دفعہ خون کی ندیاں بن کر بہنا لکھا تھا۔ امن و عافیت کا زیادہ زمانہ گذرنے نہیں پایا تھا کہ شہزادہ معظم نے کام بخش کو اپنی اطاعت قبول کرنے کی دھمکی دی اور تاکید کی کہ بالا کو فوراً اس کے یہاں روانہ کر دیا جائے۔ شہزادۂ کام بخش اِن دونوں فرمائشات کی تکمیل کرنے سے متعذر تھا۔ اس نے صاف انکار کر دیا۔ حیدرآباد جیسی سلطنت اور بالا جیسی حسن کی دیوی

ہر صاحب ہمت کو نصیب نہیں ہوسکتی کام بخش کو دونوں ایک سے بڑھکر ایک عزیز تھیں۔ اس نے آخر دم تک اِن کو قبضہ میں رکھنے کی کوشش کی جس وقت معظم کی لاتعداد فوجیں ایک طوفانی سمندر کی موجوں کی طرح شہر حیدرآباد کی فصیلوں سے آآکر ٹکرا رہی تھیں شہزادہ کام بخش کی بہادری اور ماہ پیکر بالا کی فراست ایک مستحکم پہاڑی ساحل بنکر اُن کو واپس ہونے پر مجبور کر رہی تھی لیکن حملہ آور شہزادہ کے ساتھ دکن میں تمام ہندوستان کی فوجیں اور قوت کھنچی چلی آرہی تھی اگرچہ غریب کام بخش نے مغلوں کے اِن ٹڈی دل افواج کا مردانہ وار مقابلہ کیا مگر اس کی قسمت میں لکھا تھا کہ اپنی پیاری بالا کے وطن کو اپنے خون سے رنگین کرے۔

ادھر مظفر و منصور شہزادہ کی فوجیں شہر حیدرآباد میں داخل ہو رہی تھیں اُدھر آسمان گولکنڈہ کا آخری ستارہ غروب ہو رہا تھا۔ معظم نے شہر کا چپہ چپہ ڈھونڈہ ڈالا مگر بالا نہ ملنا تھی نہ ملی! وہ ایسی غائب ہوئی کہ پھر کسی کو اُس کا پتہ نہ چلا۔

معظم کی فتح اور تسخیر حیدرآباد کے چند روز بعد ہی اس کی فوج کے ایک بوڑھے سپاہی کو حیدرآباد کے مشہور محلہ بارہ گلی میں ایک غریب شخص ملا جس نے اس کو روک کر ہیرے کی ایک گراں بہا انگوٹھی پیش کی اور کہا کہ:۔

"بالا نے محاصرہ گولکنڈہ کے زمانہ میں تم سے جس انعام کا وعدہ کیا تھا

اس کے ایفا کا برسوں کے بعد آج موقعہ ملا ہے۔"

بوڑھا سپاہی ہیرے کی انگوٹھی دیکھ رہا تھا اور اس کا عالم سراسیمگی ابھی ختم نہ ہونے پایا تھا کہ وہ غریب شخص قریب کی گلی میں داخل ہو کر آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔



سلطان محمد قطب شاہ

پانچ گنڈے

سلطان محمد قطب شاہ الہیٰ محل میں مشغول مطالعہ تھے۔ آج معمول سے زیادہ وقت اس قصر میں گذر چکا تھا۔ داد محل کے رفیع الشان ایوان ارکین دولت، امرائے دربار اور علماء و فضلاء کے علاوہ حاجتمندوں اور دادخواہوں سے معمور تھے۔ یہہ بارگاہ ہر کس و ناکس کی امیدوں اور آرزوؤں کا ماویٰ و ملجا تھی۔ امراء اپنے محبوب بادشاہ کی قدمبوسی، اور غرباء اپنی حاجت براری کے لئے بےچین تھے۔ ان سب پر انتظار کا ایک ایک لمحہ گراں گذر رہا تھا۔ مگر یہہ کٹھن گھڑیاں جواں سال بادشاہ کے ذوق علم و فضل اور نیک نفسی کے تذکروں میں کٹ رہی تھیں۔

خداماں شاہی اور مقربان خاص شاہی باورچی کو گھیرے ہوئے تھے جو ایران کے سفر سے ابھی ابھی واپس آیا تھا۔ اور اپنے وطن کے حالات اور دوران سفر کے دلچسپ واقعات خوش آیند پیرایے میں بیان کر رہا تھا۔ وہ ڈیڑھ سال قبل اپنی شادی کے ارادے سے بادشاہ سے اجازت لے کر گولکنڈہ سے ایران کو روانہ ہوا تھا اور یہہ توقع کسی کو نہ تھی کہ اسقدر جلد بعصمت و سلامت واپس بھی آسکے گا۔ وہ

کئی سال گولکنڈہ میں رہ چکا تھا اور سلطان کے باورچی خانے کا خاص رکابدار ہونے کی وجہ سے دیگر خدامان شاہی اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اس وقت ہر شخص اس کے حالاتِ سفر سننے کا مشتاق تھا لیکن وہ بادشاہ کی قدم بوسی کے لئے مضطر تھا اور اپنے دوست احباب سے کہہ رہا تھا کہ میں نے زمانہ سفر میں کئی ممالک اور کئی بادشاہ اور امیر دیکھے لیکن سلطان محمد قطب شاہ جیسا متقی، پرہیزگار اور صاحب دل انسان کہیں نظر نہ آیا۔ کیا ایران کیا عراق، ہر جگہ گولکنڈہ کے ہیروں سے زیادہ یہاں کے بادشاہوں کے اعلیٰ کردار کی شہرت ہے۔ اِس حالیہ سفر نے تو میری آنکھیں کھولدیں اور خدا کا شکر ہے کہ میں اپنے آقا پر اپنی جان نثار کرنے کے لئے بخیر و عافیت واپس آگیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے اہل اللہ بادشاہ کی خدمت وہ سعادت ہے جو ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہو سکتی۔

سلطان محمد قطب شاہ نے ایوان دربار میں قدم رکھتے ہی اپنے خاص باورچی کو یاد کیا حاضرین دربار حیران تھے کہ یہ شخص تو ابھی ابھی قافلہ سے نکل کر دربار میں پہنچا ہے، بادشاہ کو اس کی واپسی کی کیونکر اطلاع ہوگئی بادشاہ کو دیکھتے ہی باورچی نے قدمبوسی کر کے عرض کیا کہ۔

”بندگان عالی کی قدم بوسی کی عزت ایک عرصہ کے بعد نصیب ہوئی ہے جتنے دن حضور کے قدموں سے دور رہا ایک ایک گھڑی ایک ایک سال معلوم ہوتی تھی۔ آج پھر میری قسمت نے یاوری کی اور خدا نے اس قابل کیا کہ ظل اللہ کی قدموں کی

گولکنڈہ کے میرے خاک سے اپنی آنکھوں کو منور کروں"

بادشاہ نے اپنے قدیم خادم کی خیر و عافیت دریافت کر کے اطمینان کا اظہار کیا۔ لیکن باورچی اپنے آقا کے قدموں پر سے اپنا سر ہٹانا نہ چاہتا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے بادشاہ نے تلطف آمیز لہجہ میں ارشاد فرمایا :۔

"تم اپنا سر اٹھاؤ ہم جانتے ہیں تمہارے دل میں جو خدشہ ہے!"

باورچی نے دست بستہ عرض کیا :۔

حضور میں بڑا قصوروار ہوں! بارگاہ عالی سے رخصت ہوتے وقت میں بے حد مایوس تھا کیونکہ جب میں نے اپنی شادی کے لئے وطن جانے کی اجازت چاہی تو حضور نے حکم دیا کہ تم جا سکتے ہو۔ لیکن پہلے ہمارے امراء و خداماں دولت سے بھی رخصت ہو لو اور شہر پناہ سے نکلتے وقت ہماری بارگاہ میں آنا۔ فدوی کو ہر امیر نے اپنے سب حیثیت سرفراز کیا اور بعضوں نے تو ہزار ہزار ہون کا توڑا بھی ساتھ کر دیا تھا لیکن آخر میں جب ظل سبحانی کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور نے صرف بیس پیسے عنایت کئے تھے جنکو دیکھکر میں حیران رہگیا اور رعب سلطانی کی وجہہ سے کچھ عرض نہ کر سکا۔ جب میں اس بارگاہ سے نکل رہا تھا میرا دل مایوسی اور نامرادی کی وجہہ سے بیٹھا جا رہا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ میرے مقسوم میں یہی لکھا تھا کہ چشمۂ آب حیات تک پہنچ کر بھی پیاسا رہوں اسی مایوسانہ حالت میں میرے دل میں طرح طرح کے خیالات کا ہجوم تھا اور ممکن ہے کہ اپنے آقا کی نسبت میرے گمان نے کوئی بے ادبی بھی کی ہو جسکی وجہہ سے میں اپنے تمام زمانہ سفر میں

نادم رہا اور اس وقت اس کی معافی کا بصد ادب خواستگار ہوں"۔

بادشاہ نے فرمایا :-

"تم ہر طرح مطمئن رہو۔ اپنے سفر کے واقعات بیان کرو۔ تمہارے قدیم دوست احباب بھی تمہارے حالات سننے کے مشتاق ہوں گے"!

باورچی نے عرض کیا :-

"بارگاہِ خداوندی سے ناکام جانے کا مجھے بڑا قلق تھا جب میں جہاز پر اپنے وطن کی طرف چلا جا رہا تھا تو رہ رہ کر یہی خیال آتا تھا۔ اور حضور کے عنایت کئے ہوئے تانبے کے سکے مجھے بارِ گراں معلوم ہو رہے تھے۔ چنانچہ کئی دفعہ میں نے ارادہ کیا کہ ان کو سمندر میں پھینک دوں لیکن پھر کسی نہ کسی وجہہ سے رک گیا چند روز کے بعد ہمارا جہاز ایک بندرگاہ پر ٹھہرا۔ وہاں ایک شخص انار بیچ رہا تھا۔ اکثر مسافرین نے دو دو چار چار انار خریدے میں نے بھی خیال کیا کہ یہہ پیسے ایران ساتھ لیجا کر کیا کروں گا بہتر یہہ ہے کہ یہیں ہندوستان کے ساحل پر خرچ کر دوں چنانچہ میں نے وہ پانچ گنڈے انار والے کو دیدئے۔ اُن کے بدلہ میں اس نے بیس انار میرے حوالے کئے۔ جن کو میں نے اپنے سفری تھیلے میں ڈالدیا اور پھر خیال تک نہ آیا کہ اُن کا کیا حال ہوا۔ میں خوش تھا کہ اب تانبے کے اُن بیس سکوں سے میری جیب ہلکی ہو گئی ہے۔

چند ہی روز گذرے تھے کہ ہمارے جہاز میں ملک التجار کا اکلوتا لڑکا سخت بیمار ہو گیا۔ طبیبوں نے بہت کچھ علاج کیا مگر حالت سقیم ہی ہوتی گئی۔ اطباء نے مشورہ دیا کہ اب

صرف انار سے اس لڑکے کی جان بچ سکتی ہے۔ ملک التجار نے مسافروں سے دریافت کیا کسی کے یہاں انار نہ ملا۔ مریض کی حالت روز بروز ابتر ہونے لگی آخر ملک التجار نے بڑے عجز کے ساتھ ہر مسافر سے کہا کہ ایک ایک انار کے لئے ایک ایک ہزار اشرفی نذر کروں گا۔ خدا کے لئے مجھ پر رحم کیجئے اور دیکھئے ممکن ہے ڈھونڈھنے سے آپ کے سامان میں کہیں انار نکل آئے۔

مجھے یاد ہی نہ تھا کہ میں نے بھی انار خریدے تھے؟ اب جو ملک التجار کی عاجزی اور پریشان حالی دیکھی تو یکایک مجھے اپنی وہ حالت یاد آگئی جو ظل سبحانی کی بارگاہ سے سونے کی جگہ تانبے کے سکے حاصل کرنے کی وجہہ سے مجھ پر طاری ہوگئی تھی۔ اُن پانچ گنڈوں کے پیسوں کی یاد کے ساتھ ہی مجھے اناروں کا خیال آگیا۔ میں دوڑتا ہوا اپنے سامان کی طرف گیا اور تھیلا کھول کر دیکھا تو ۲ دو انار سڑے ہوئے نکلے اور باقی کے اٹھارہ انار اچھی حالت میں تھے۔ جن کے معاوضے میں اٹھارہ ہزار اشرفیاں مل گئیں اور میری قسمت پر جہاز کا ہر شخص رشک کرنے لگا۔

اٹھارہ ہزار اشرفیوں کا ذکر سنتے ہی بادشاہ نے تعجب کا اظہار کیا کہ:۔

"تمہیں تو بیس ہزار اشرفیاں ملنی چاہئے تھیں۔ یہہ سمجھ میں نہ آیا کہ ۲ دو ہزار کم کیوں ہوگئیں"؟

بادشاہ کی اس پُراسرار گفتگو پر دربار میں سناٹا چھا گیا۔

ظل سبحانی نے اپنے خادم خاص کے ذریعہ سے ملکۂ زمانی حیات بخشی بیگم کے یہاں کچھ کہلا بھیجا جب خادم نے دولت خانۂ عالی سے واپس آکر بادشاہ سے جواب عرض کیا تو سلطان محمد قطب شاہ نے اپنے باورچی سے فرمایا :-

" ہم نہیں چاہتے تھے کہ یہ بات ظاہر کی جائے لیکن اب کہنا پڑتا ہے کہ ہم اپنے لئے خانگی اوقات میں قرآن شریف کی کتابت کرکے کچھ پیسے حاصل کر لیتے ہیں چنانچہ تمکو جو پیسے دئے گئے وہ ہماری ذاتی کمائی یعنے اکل حلال کے تھے لیکن ابھی معلوم ہوا کہ ملکہ نے جو روزانہ رات میں پنکھے سی کر اپنے خانگی خرچ کیلئے رقم حاصل کرتی ہیں اُن میں سے ۲ دو پیسے چراغ کے لئے ارنڈی کا تیل منگانے میں صرف کر دئے تھے اور جب میں نے وہ بیس پیسے منگوا بھیجے تو انہوں نے سرکاری رقم میں سے ۲ دو پیسے ان میں ڈالکر پانچ گنڈوں کو پورا کیا تھا چنانچہ یہی ۲ دو پیسے تھے جن کی وجہہ سے افسوس ہے کہ تمہاری دو ہزار اشرفیاں ماری گئیں "

پانچ اشرفیاں

"اگر اس سرزمین میں ایسے غریب اور محتاج باقی ہیں جنکو محنت و مشقت کے باوجود دن بھر میں ایک وقت سے زاید کھانا میسر نہیں ہوتا تو میں سمجھتی ہوں کہ گذشتہ پچاس سال میں میرے والد میرے شوہر اور میں نے خود بھی اس ملک کی سرسبزی و شادابی اور ہر طبقہ کی فلاح کے لئے جو کوشش کی ہیں وہ سب رائگاں گئیں۔ رعایا کی خوشحالی سلطنت کے بقاء و استحکام کی ضامن ہوتی ہے۔ میں اپنے نورِعین کے ہاتھ میں اُس وقت تک حکومت کی باگ نہیں دے سکتی جب تک مجھے یہ یقین نہ ہو جائے کہ سلطنت میں امن و امان ہے رعایا خوش حال ہے، اور اہلِ دربار کے اخلاق و عادات اِس درجہ قابلِ اعتماد ہیں کہ کسی بیرونی حملے اور سازش کا احتمال تک نہ ہو۔"

حیدرآباد کے مشہور راننگ محل میں ملکۂ جہاں خدیجۂ زماں حیات بخشی بیگم نے گولکنڈہ کے وزرائے خاص سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ وزراء نے ملکہ کی ترقی عمر و اقبال کے لئے دعائیں دیں اور دست بستہ عرض کیا:۔

"حضور ہم سب خانہ زادوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی پادشاہ بیگم

اور اپنے جوان بخت وجوان عمر سلطان عبداللہ قطب شاہ کے قدموں پر اپنی جان تک نثار کرنے کے لئے ہر وقت حاضر ہے۔ پھر بھی اگر ہم میں سے کسی کی نسبت ملکۂ زماں کو شبہہ ہو تو ہم سب تیار ہیں کہ اس کو آپکے ادنے اشارہ پر دربار سے نکال باہر کردیں۔ وفاداری ہمارا شیوہ ہے اور اپنے آقا کے لئے اپنی جان پر کھیلنا ہمارا پیشہ!"

ملکہ نے مسکراتے ہوئے کہا:۔

"مجھے تو امراء سے زیادہ غریبوں کا خیال ہے۔ تمہارے مرحوم بادشاہ کا مقولہ مجھے ہر وقت یاد آتا رہتا ہے کہ امیر امراء ہمیشہ طاقتوروں کا ساتھ دیتے ہیں اور انکے برخلاف غرباء ہر وقت اپنے ضمیر کے تابع اور ایمان وایقان کے پکے ہوتے ہیں اور ان کا جذبۂ وفاداری ہمیشہ قابل اعتماد رہتا ہے۔ اسی لئے میرا اور میرے آباؤ اجداد کا یہی طریقہ رہا ہے کہ عوام اور غربا کی طرف زیادہ توجہہ کی جائے اور خلق اللہ کی آسائش اور رفاہ عام کے کام ہمیشہ جاری رکھے جائیں۔"

ملکہ کے ان اعلٰے خیالات کا وزرا پر خاص اثر ہوا۔ وہ بالکل خاموش تھے اُن میں سے ایک محمد سعید اردستانی نے عرض کیا کہ:۔

"ہم تمام جانثار اس وقت خلق اللہ ہی کی نمائندگی کرنے کے لئے ملکۂ جہاں کی خدمت میں حاضر ہیں۔ تمام ملک کی دلی خواہش یہی ہے کہ دودمانِ قطب شاہیہ کے چشم وچراغ سلطان عبداللہ ظل اللہ زمام حکومت سنبھالیں"

ملکہ نے فرمایا:۔

"میری بھی سب سے بڑی آرزو یہی ہے کہ اپنے فرزند جگر بند کو اس رفیع الشان سلطنت پر کامیابی کے ساتھ حکومت کرتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں خدا وہ دن جلد لائے اور میری یہہ تمنا بر آئے۔ بارگاہ رب العزت میں شب و روز یہی دعا کرتی ہوں۔ میں تمہاری خواہشات معلوم کرکے خوش ہوئی اور انشاء اللہ بہت جلد میں رعایا کی حالت اور ملک کے امن و امان کے متعلق بھی تجربہ کرونگی۔ اگر یہہ کامیاب ثابت ہوا تو تمہاری اور میری ہم سب کی دلی آرزو بہت جلد پوری ہو سکے گی۔"

محمد سعید نے دست بستہ عرض کیا:۔

"اگر حضور اجازت عطا فرمائیں تو یہہ عرض کرنے کی جرات کی جا سکتی ہے کہ رعایا تو ملک و مالک پر فدا ہے اور ہماری مطیع و منقاد؟ ان کی خوشحالی اور فارغ البالی کا چرچا دور دور تک ہے۔ دوسرے ملکوں میں ہر شخص یہی کہتا ہے کہ گولکنڈہ میں تو ہون برستے ہیں اور وہاں کا ہر پتھر ہیرا بنکر چمکتا ہے۔ بندگان عالی جو تجربہ کرنا چاہتے ہیں وہ بہت مشکل کام ہے حضور ہم پر اعتماد فرمائیں اور یہہ فدوی ہر طرح یہہ امر ثابت کرنے کے لئے تیار ہے کہ امراء اور رعایا کی طرف سے کبھی کوئی ایسی حرکت سرزد نہو گی جو ملک کے مفاد اور مالک کی مرضی کے خلاف ہو۔"

ملکہ نے جواب دیا:۔

"تمہارے جذبۂ وفاداری اور شیوۂ جان نثاری کے اظہار سے اطمینان ہوا مگر میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ عوام کی حالت کا اندازہ کرنا میرے لئے ضروری ہے۔ تم پر وہ ذمہ داری

عابد نہیں ہے جو ایک بادشاہ پر ہوتی ہے۔.............بادشاہ کے نزدیک امیر اور غریب سب برابر ہیں۔ اسکی نظر آفتاب کی شعاع کے مانند ہے جو پست وبلند ہر جگہ یکساں پڑتی ہے۔ امیر کہاں غریبوں کا خیال رکھ سکتے ہیں جب کہ وہ خود آپس میں ایک دوسرے کی ترقی اور خوش حالی کو دیکھ نہیں سکتے۔ ممکن ہے کہ کسی سلطنت کے وزیروں یا امیروں کو وہاں کے غریبوں کی ذہنی و معاشی حالت کے متعلق تجربہ کرنا مشکل معلوم ہو مگر بادشاہ کیلئے یہہ بہت آسان کام ہے۔ خدا چاہے تو میں تم سب کو دس روز کے اندر اندر ہی اپنے تجربہ کے نتیجہ سے مطلع کر دونگی۔ اور اسی نتیجہ پر میری اور تمہاری خواہش کی تکمیل کا انحصار ہے"

انہی روز شام میں دولت خانۂ عالی سے خواجہ سراؤں اور ماماؤں نے چاندی کے ایک تھالے میں پانچ اشرفیاں اور چاندی کے مختلف اشیاء لاکر چارمنار کے وسط میں سرِ راہ رکھدیا اور شہر میں شہرت مچ گئی کہ یہہ سامان سلطان عبداللہ قطب شاہ کے صدقہ کا ہے

آٹھ دن آٹھ راتیں گذر گئیں۔ نویں روز علی الصبح ملکہ نے محل کی ایک اصیل کو روانہ کیا کہ دیکھ آئے کہ اُس سامانِ صدقہ کا کیا حشر ہوا۔ اصیل نے واپس آکر عرض کیا کہ پانچوں اشرفیاں اور جملہ سامان بالکل اسی طرح اسی جگہ رکھا ہوا ہے جس جگہ پہلی دفعہ رکھا گیا تھا۔

ملکہ نے وزرائے سلطنت کو طلب کیا اور فرمایا کہ:-

"میں نے جس تجربہ کا ذکر کیا تھا آج اسکا نتیجہ برآمد ہو گیا ہے رعایائے سلطنت کی حالت ہر طرح قابل اطمینان ہے اور اب تم سب مطمئن ہو جاؤ کہ سلطان کو زمام حکومت سپرد کر دیجائیگی"

سب وزرا حیرت زدہ تھے۔ ان میں سے ایک نے جرأت کر کے عرض کیا:۔

"ملکۂ زمانی کی فہم و فراست ہمارے وہم و خیال کی رسائی سے بالا ہے۔ ہم کو حیرت ہے کہ حضور نے ایسا کیا طریقہ اختیار کیا ہوگا جو اتنی قلیل مدت میں حیدرآباد جیسے وسیع ملک کی رعایا کی ذہنی و معاشی حالت سرکار کے سامنے بے نقاب ہو گئی!!

ملکہ نے پوچھا:۔

"کیا اس اثنا میں کبھی تم میں سے کسی کا گذر چار منار کی طرف ہوا ہے"؟

وزرا نے متفق اللفظ ہو کر کہا:۔

"کس وقت کیا معنی۔ حضور ہم تو دن میں کئی بار اُدھر ہی سے گذرتے ہیں"!

"پھر تمہیں وہاں کوئی غیر معمولی چیز نظر نہیں آئی"؟

"وزرا آپس میں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ محمد سعید نے آگے بڑھ کر ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ

"میں نے دیکھا تو نہیں سنا ہے کہ حضرت ظلِ سبحانی سلطان عبداللہ قطب شاہ کا صدقہ ملکۂ زمانی نے چار منار کے قریب رکھوایا تھا"

"پھر کیا ہوا"؟

سب خاموش تھے۔ ملکہ نے فرمایا کہ:۔

"تم سلطنت کے ذمہ دار افراد ہو اور تمہیں کچھ خبر نہیں؟ بہتر یہ ہے کہ اسی وقت سب جا کر دیکھ آئیں"۔

گولکنڈہ کے ہیرے — پانچ اشرفیاں

قطب شاہی وزرا نے چارمنار کے قریب جا کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ملکہ نے چند روز قبل بادشاہ کا صدقہ بھیجا تھا اور اس وقت سے کوتوالی کے پہرہ کو یہاں سے برخواست کر دیا ہے وزیروں نے صدقہ کی چیزوں کا معاینہ کیا اور دولت خانۂ عالی میں واپس ہو کر ملکہ سے جو کچھ دیکھا تھا بیان کیا۔

ملکہ نے فرمایا کہ:-

"آج نواں روز ہے کہ میں نے صدقہ رکھوا دیا تھا۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ میں خدا کے فضل سے اس قابل ہوں کہ اپنی موروثی سلطنت کو اپنے فرزند دلبند کے سپرد کر دوں۔ میں نے اب تک اس امانت کی نہایت دیانت کے ساتھ حفاظت کی اور اب ایک ایسی حالت میں اس امانت کو نوجوان بادشاہ کے سپرد کر رہی ہوں کہ آئندہ کوئی مجھ پر کسی طرح کا الزام نہیں لگا سکتا۔ میں اب اطمینانِ خاطر کے ساتھ اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر حیات نگر میں گوشہ نشین ہو جاتی ہوں اور اپنے فرزند، اپنی سلطنت، اور تم سب کو خدا اور اس کے رسولؐ کی حفاظت میں چھوڑتی ہوں۔"

بعد میں ملکہ نے جملہ اراکینِ سلطنت اور امرائے دربار سے حلفی وعدے لئے کہ اس جواں سال بادشاہ کی اطاعت سے کبھی منحرف نہ ہونگے اور ہر وقت اپنی جان تک نثار کرنے کے لئے تیار رہینگے۔

سلطان عبداللہ کے باقتدار ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہی محمد سعید نے بادشاہ کے دل میں کچھ ایسی جگہ پیدا کر لی کہ بالآخر میر جملہ کے خطاب اور صدر اعظمی کے عہدہ پر سرفراز کیا گیا

اور سلطنت کے تمام امور اُسی کے قبضۂ اقتدار میں آ گئے۔ وہ چند سال بعد ہیروں کے لالچ میں گولکنڈہ سے نکلا اور توسیع سلطنت کے بہانہ سے تمام شاہی افواج کو اپنے ساتھ لیتا گیا۔

اس اثناء میں بادشاہ میر جملہ کی بعض مفسدانہ حرکات سے ناراض ہو گیا تو اُس بدبخت نے شہزادہ اورنگ زیب کو گولکنڈہ پر دھوکہ سے حملہ کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ جس وقت مغل فوجیں قطب شاہی سلطنت کے حدود پر منڈلا رہی تھیں ضعیف العمر ملکہ حیات بخشی بیگم کو گوشہ نشینی چھوڑ کر پھر حیدرآباد آنا پڑا۔ انہوں نے میر جملہ کے یہاں اپنے ملازمین خاص روانہ کئے اور کہلا بھیجا کہ شاہی فوجیں لے کر فوراً حیدرآباد چلے آئے اور اپنے اُس حلفی عہد و پیمان کو پورا کرے جو سلطان کے زمام حکومت ہاتھ میں لیتے وقت اُس نے ملکہ سے کیا تھا۔

احسان فراموش میر جملہ نے جواب دیا کہ:۔

"شاید ملکہ کو مرحوم سلطان محمد قطب شاہ کا وہ مقولہ یاد نہیں رہا کہ امراء ہمیشہ طاقتوروں کا ساتھ دیتے ہیں اور اُن کا ضمیر سیاست کا غلام ہوتا ہے"

دغاباز میر جملہ کا یہ جواب ملکہ کو اس وقت ملا جب اورنگ زیب حسین ساگر کے کٹہ تک پہنچ چکا تھا اور سلطان عبداللہ دھوکہ میں آ کر اُس کے استقبال کے لئے نکلا تھا۔ جب راستہ میں بادشاہ کو معلوم ہوا کہ مغل سوار اُس کو قید کرنے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں تو وہ فوراً محل کی طرف پلٹا۔ لیکن اس اثناء میں مغل اُس کے قریب پہنچ چکے تھے اور وہ ان کے نرغہ میں پھنس جاتا اگر حیدرآباد کے غرباء ان مغلوں کا راستہ نہ روک دیتے۔

عبداللہ قطب شاہ کی اس نازک حالت کی اطلاع قرب وجوار کی گلیوں میں برقی رو کی طرح دوڑ گئی اور کثرت سے اہلِ شہر بادشاہ کو بچانے کے لئے اپنے اپنے گھروں اور دوکانوں سے نکل پڑے۔ اِس خدائی فوج نے مغلوں کا جان توڑ مقابلہ کیا۔ کئی غریب اہلِ شہر اپنے ملک ومالک کی راہ میں شہید ہو گئے اور سیکڑوں زخمی ہوئے۔ اِس اثناء میں بادشاہ صحیح وسالم دولت خانۂ عالی میں پہنچکر سرنگ کے ذریعہ سے قلعہ گولکنڈہ میں داخل ہو گیا۔

جب ملکہ کو معلوم ہوا کہ شہر کے غریبوں نے کس طرح اپنے بادشاہ کو بچا لیا تو اس کی زبان سے اسکے مرحوم شوہر کا وہ جملہ بے ساختہ نکل پڑا:۔

"غریب ہر وقت اپنے ضمیر کے تابع اور ایمان وایقان کے پکّے ہوتے ہیں اور انکا جذبۂ وفاداری ہمیشہ قابلِ اعتماد ہوتا ہے"

اُس نے شہیدانِ وطن کے ورثاء اور تمام زخمیوں کو فی کس پانچ پانچ اشرفی انعام عطا کیا۔



سلطان ابوالحسن تاناشاہ

سروِ صحرا

بیہاں تی پیٹھ آج ایک چھوٹا سا قصبہ رہ گیا ہے جس کی عالیشان قطب شاہی مسجد کے خوبصورت مینار حیدرآباد سے حمایت ساگر جانیوالی سڑک کی بائیں طرف اب بھی راستہ سے گزرنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ یہہ مقام گولکنڈہ کے زندہ دل بادشاہوں کی بہترین تفریح گاہ سمجھا جاتا تھا۔ اِس سلطنت کے بادشاہوں اور امیروں نے قلعہ کے باہر دور دور تک اس قسم کے شبستان آباد کر رکھے تھے اور جب کبھی درباری زندگی اور سیاسی الجھنوں سے فرصت ملتی تو قلعہ سے نکل کر ہر ایک اپنے اپنے گوشۂ عشرت میں دل بہلاتا تھا۔

اِن شبستانوں کے آباد کرتے وقت دو باتوں کا ضرور خیال رکھا جاتا تھا۔ ایک تو یہہ کہ وہاں سے اُنکی امیدوں کا آماجگاہ قلعہ گولکنڈہ نظر آتا رہے اور دوسری یہہ کہ وہاں سب سے پہلے ایک شایانِ شان مسجد کی بنا ڈالی جائے چنانچہ گولکنڈہ کے اطراف واکناف میلوں تک جنگلوں میں جو خوشنما مسجدیں نظر آتی ہیں وہ قطب شاہیوں کے انہی عشرت کدوں کے باقی ماندہ آثار ہیں اِن کے قرب وجوار کے پُر تکلف محلات اور بارونق بازار زندہ دلیوں کی

ویرانیوں اور سیاسی افراتفریوں کی وجہ سے نیست و نابود ہوگئے لیکن مسجدیں باقی رہ گئیں

رہے نام اللہ کا

۲

پیاامنی پیٹھ میں ایک بات مشہور ہے کہ تانا شاہ بادشاہ ہر جمعرات کو قلعہ سے یہاں آجاتا تھا اور ایک رات گزار کر دوسرے دن جمعہ کی نماز اس مسجد میں پڑھنے کے بعد شکار کھیلتے ہوئے قلعہ کو واپس ہوجاتا۔ بادشاہ کو ملکہ کا بڑا خیال تھا۔ وہ حد درجہ نازک مزاج تھی۔ جب کبھی جلال میں آجاتی تو پھر کسی سے نہ سنبھلتی اور قطب شاہی محل اسکی گرج دار آواز سے لرزنے لگتے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ وہ تنک مزاج ہوگئی تھی۔ مغلوں کے پروپگنڈے نے تانا شاہ بادشاہ کو فاسق و فاجر مشہور کر رکھا تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ دوسرے بادشاہوں کی طرح اسکے محل میں حرم کا وجود ہی نہ تھا البتہ ایک دفعہ ایک ایسا واقعہ پیش آگیا تھا کہ بادشاہ ایک غریب کسان کی بیکس لڑکی کو اپنے محل میں پناہ دینے پر مجبور ہوگیا تھا جسکا حسب ذیل قصہ اننگ پیاامنی پیٹھ میں زبان زد خاص و عام ہے:-

تخت نشینی کے چند ماہ بعد ہی بادشاہ شکار کے لئے نکلا تھا۔ ہرن کے تعاقب میں وہ اپنے ساتھیوں سے دور نکل چکا تھا کہ پیاامنی پیٹھ کے قریب اس کو ایک کسان کی جھونپڑی میں سے کسی کے آہستہ آہستہ رونے کی آواز سنائی دی قریب پہنچکر اس نے دیکھا کہ ایک خوبصورت لڑکی ایک بوڑھے کا سر اپنے زانو پر رکھے بیٹھی ہے، اور زار و قطار رو رہی ہے۔

بادشاہ پر بھی ایک زمانہ ایسا گذر چکا تھا جب وہ خود جنگل میں جھونپڑی میں رہا کرتا تھا

اس پر اس حالت کا بڑا اثر ہوا۔ وہ فوراً گھوڑے پر سے اتر پڑا اور قریب ہو کر دریافت کیا۔

غریب دہقان زادی بادشاہ کو اپنی جھونپڑی میں دیکھکر دنگ ہو گئی۔ اس کے آنسو تھم گئے اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ اس نے پہلے بھی بادشاہ کی سواری اپنے باپ کے کھیت کے قریب سے گذرتی ہوئی دیکھی تھی اور اس کے باپ نے کہا تھا کہ "بادشاہ کی صورت کا نظر آجانا ہی برکت اور خوشحالی کا باعث ہے اس خیال سے وہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنتے ہی انکی طرف دوڑتی تھی تاکہ بادشاہ کا چہرہ نظر آجائے لیکن اس کو کبھی ایسا موقع نہ ملا تھا کہ اچھی طرح دیکھ سکتی۔

آج جو اس نے اسقدر قریب سے بادشاہ کو دیکھا تو اسکی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور نہ معلوم کب تک یہ حالت جاری رہتی اگر بادشاہ بکمال شفقت اس کے رونے کا سبب دریافت نہ کرتا۔ جب لڑکی کے ہوش و حواس درست ہوئے تو اس نے سنبھل کر اپنے نیم برہنہ جسم کو اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں سے ڈھانپتے ہوئے عرض کیا:۔

" میرا باپ ہمیشہ کہتا تھا کہ بادشاہ کی صورت نظر آجائے تو خوشی ہی خوشی ہے حالانکہ آج تو میرے سر پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے یا تو آپ بادشاہ نہیں ہیں۔ اور اگر میں واقعی بادشاہ سلامت کو دیکھ رہی ہوں تو پھر میرے بوڑھے باپ کو سانپ نے کیوں ڈسا اور اس نے اسقدر جلد کیوں آنکھیں بند کر لیں "

بادشاہ ابھی اس سے محو کلام ہی تھا کہ خدامانِ شاہی بھی پہنچ گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ فوراً کسی طبیب یا سانپ کا عمل جاننے والے کو بلایا جائے۔ اسنے دہقان دوشیزہ کو

تسلی دی اور اپنے چند ملازمین وہاں چھوڑ دئے چلتے ہوئے اس نے لڑکی سے کہا:-

"بادشاہ کی صورت نظر آجانے کے بارے میں تمہارا باپ جو کچھ کہتا تھا اس کے آزمانے کا دراصل یہی وقت ہے"

۳

دوسرے روز صبح میں بادشاہ کو اطلاع ملی کہ بان جانبر نہ ہو سکا۔ سانپ ڈسے ہوئے عرصہ گذر چکا تھا طبیبوں اور عاملوں نے رات تمام اسکی لاش کے ساتھ بیکار محنت کی بادشاہ نے حکم دیا کہ بدقسمت دہقان کی حرمان نصیب لڑکی کو سایۂ عاطفت میں لے لیا جائے۔

شام ہونے سے قبل دہقان زادی قلعہ گولکنڈہ میں پہنچا دی گئی جہاں اسکو محل کی اصیلوں اور خادماؤں نے حمام کرا کے خلعت فاخرہ میں ملبوس کیا اور دولت خانۂ عالی کے اُس قطعہ میں فروکش کیا جو کسی زمانے میں پیامتی اور تارامتی کی قیام گاہ رہ چکا تھا تاناشاہ نے تاکید کر دی تھی کہ اس کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کیا جائے تاکہ وہ بہت جلد اپنے باپ کا غم بھول جائے۔

چند روز گذرنے کے بعد دریافت کرنے سے بادشاہ کو معلوم ہوا کہ غریب دہقان زادی اب بھی غم زدہ ہے اور اس کا اکثر وقت رونے میں گذرتا ہے۔ تاناشاہ اس کی آزادانہ گفتگو اور بے باک حسن ملیح سے متاثر ہو چکا تھا اور وہ سمجھ رہا تھا کہ محل کی آسائش اور شاہانہ لباس اور زیورات پہن کر وہ اپنی قدیم زندگی کو بالکل بھول جائے گی لیکن شاید اس کو یاد نہ رہا کہ وہ خود گولکنڈہ جیسی سلطنت کا بادشاہ ہو جانے اور خداداد محل اور گگن محل جیسے فلک بوس

محلات میں اقامت گزیں ہونے کے باوجود بعض اوقات تنہائی میں اپنے بچپن کے جھونپڑے اور دیہات کی آزاد زندگی کو یاد کرکے بے چین ہو جاتا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ اس سرو صحرا کو اس کے حضور میں لایا جائے۔

دہقان زادی نے جب کئی روز کے بعد بادشاہ کی صورت دیکھی تو اس کو پھر سے اس گھڑی کا خیال آگیا جب کہ وہ اپنی جھونپڑی میں اپنے باپ کی لاش لئے بیٹھی تھی وہ بے اختیار رونے لگی۔ خادموں نے سمجھایا کہ تم اس وقت ظل اللہ کے حضور میں ہو اور یہہ طریقہ آداب کے خلاف ہے بادشاہ نے خود بھی دلاسا دیا اور کہا:۔

"تم اسقدر رنجیدہ کیوں ہو؟ تمہیں تو خوش ہونا چاہئے!"

دوشیزہ نے جواب دیا:۔

"حضور مجھے اپنے پیارے باپ کا غم ہی کیا کم تھا جو اس قید خانے کی مصیبت نازل ہوئی ہے"

بادشاہ نے متعجب ہو کر پوچھا:۔

"تم قید خانے میں نہیں محل میں ہو۔ تمہیں ہر طرح کا آرام ہے۔ کھانے کو لذیذ غذائیں، پہننے کو رنگ برنگ کے بہترین لباس، اور آرائش کے لئے جواہرات کے گہنے! اس سے بڑھکر تم کیا چاہتی ہو؟"

دہقان زادی نے عرض کیا:۔

"یہہ سب میرے لئے بیکار ہیں۔ میں اس تنگ و تاریک قید خانے کی تنہائی سے بیزار ہوں۔ مجھے جنگل کے کھلے میدان، لہلہاتا ہوا سبزہ، بہتا ہوا صاف و شفاف پانی، طرارے بھرتی ہوئی ہوا

اور سب سے بڑھکر آزادی چاہئیے۔ خدا کے لئے مجھے آزاد کر دیجئے، میں اس قید کو........"

بادشاہ خود بھی اپنے آپ کو مقید محسوس کرتا تھا اسکا دل بھی آزادی چاہتا تھا مگر وہ بادشاہت کی امانت کو سنبھالے ہوئے تھا، وہ مجبور تھا، ورنہ کبھی کا آزاد ہو جاتا۔ لڑکی کہی جا رہی تھی مگر اب اسکا دماغ کسی اور خیال، کسی اور فضا میں محو ہو گیا تھا۔ وہ اب گولکنڈہ میں نہیں تھا اسکو اپنے بچپن کی زندگی یاد آگئی تھی۔ اسکی ابتدائی زندگی کے چودہ سال اُس کی آنکھوں میں پھر گئے۔ اس نے گولکنڈہ میں قدم رکھنے کے بعد آج سب سے پہلی دفعہ محسوس کیا کہ اس عظیم الشان سلطنت، ان پُرتکلف محلات، اور اس شاہی طمطراق کے باوجود اس کو وہ آزادی نصیب نہیں ہے جس کے لئے یہ غریب دوشیزہ تڑپ رہی ہے۔ اطاعت گذار خادموں اور جاں نثار امیروں کے جھگھٹے میں وہ خود کو تنہا محسوس کر رہا تھا خیالات کی دنیا میں وہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔

بادشاہ کے اس سکوت اور اسکی طبیعت کے اس تکدر کو دیکھکر شاہی خدام سامنے سے ہٹ گئی اور دہقان زادی اپنی قیامگاہ میں پہنچا دی گئی۔

۴

ایک روز سر شام خود تانا شاہ بھاگمتی کے محل میں داخل ہوا۔ اس پُرتکلف ماحول میں غریب کسان کی لڑکی اُسکو ایک شاہزادی نظر آرہی تھی۔ اُس نے اس سروِ صحرا سے کہا:۔

"تم نے میری زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ شاید تم نہیں جانتیں کہ میں بھی تمہاری طرح جنگل کی ہواؤں کا پروردہ ہوں مجھے بھی یہ عالیشان محلات تنگ و تاریک

قید خانے نظر آتے ہیں۔ میں نے تم کو محض اس خیال سے یہاں لانے کا حکم دیا تھا کہ باپ کی وفات سے تم دنیا میں تنہا ہو گئی ہو ممکن ہے یہاں تمہارا دل بہل جائے لیکن تم اگر چاہتی ہو تو اب بھی آزاد ہو۔ مگر میں پہلے یہہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہاں سے نکلو گی تو کہاں جاو گی اور کس طرح دنیا میں زندگی بسر کرو گی۔"

لڑکی پر بادشاہ کی اس تلطف آمیز گفتگو کا بڑا اثر پڑا اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اُس نے سر نیچے کو جھکائے ہوئے آہستہ آہستہ کہا:۔

"اب میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے........ میری ماں بچپن میں مر چکی تھی۔ میرے دونوں بھائی وبا میں چل بسے...... میں خود ہی اب یہہ سوچتی ہوں کہ تنہا اپنے کھیت کا کام کس طرح چلاونگی؟ نہ معلوم میرے پیارے بیلوں کا کیا حشر ہوا ہے؟"

بادشاہ نے کہا:۔

"تم آزاد ہو۔ سوچ سمجھکر کوئی تصفیہ کر لو اور جسوقت چاہو مجھے مطلع کر دینا کہ میں تمہیں صحیح و سالم تمہارے کھیت کی دنیا میں پہونچا دونگا۔"

۵

بیاہتی کا محل کئی سال سے ویران پڑا تھا۔ اب جو بادشاہ نے اس میں قدم رکھا پھر سے چہل پہل اور رونق پیدا ہو گئی۔ ملکہ بھی کئی روز سے اس سنسان محل میں بات چیت اور حرکت کی آوازیں سن رہی تھی مگر اسکو حقیقت حال کا علم نہ ہوا تھا بادشاہ کا گذر ہوا تو سارے محل میں یہہ خبر مشہور ہو گئی اور ملکہ کو بھی آخر کار چند ہی روز میں اصل واقعہ معلوم ہو گیا

وہ غصہ سے بیتاب ہوگئی اور عالم غیظ و غضب میں اپنی خادماؤں کو حکم دیا کہ پیامنی کے محل میں بادشاہ نے جس عورت کو لا رکھا ہے اسکو پکڑ لائیں۔ خادمائیں خوف زدہ تھیں۔ انکے لئے یہہ بڑا نازک وقت تھا۔ ایک طرف ملکہ کا بے پناہ غیظ و غضب، دوسری طرف بادشاہ کی خفگی۔ ملکہ آپے سے باہر ہوئی جا رہی تھی۔ آخر ایک قدیم ملازمہ نے ہمت کر کے عرض کیا کہ:۔

"میں واری جاؤں، حضور غصہ میں بے حال ہوئی جا رہی ہیں۔ دشمنوں کی طبیعت خراب ہو جائیگی آخر یہہ لونڈی کس دن کے لئے ہے۔ حکم ہو تو ایسی تدبیر کروں کہ نہ وہ بدبخت باقی رہے اور نہ بادشاہ کا دل اسکی طرف مائل ہو اگر حضور ذرا صبر و تحمل سے کام لیں تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوگی اور ہر بات ملکہ کی طبیعت کے موافق ہو جائیگی۔"

دوسری خادماؤں کی بھی ہمت بندھی، انہوں نے بھی طرح طرح کی باتیں بنانی شروع کیں۔ خدا خدا کر کے ملکہ کا غصہ تھما۔ اسکے بعد چند ہی روز میں وہ بڑھیا دہقان زادی کو زہر کھلانے کی ترکیبوں میں کامیاب ہوگئی۔

جب بادشاہ کو اس غریب لڑکی کی خراب حالت کا علم ہوا تو اس نے فوراً اطبائے شاہی کو معالجہ کا حکم دیا اور بڑے بڑے انعام و اکرام کے وعدے کئے۔ وقت زیادہ نہیں گذرا تھا غریب دوشیزہ کی جان بچ گئی، مگر وہ کئی دن تک فریش رہی۔ بادشاہ روز اس کی عیادت کو جاتا تھا اور اب اس نے اسکی حفاظت کیلئے اپنے خاص ملازمین متعین کر دیے تھے۔

— ۶ —

کچھ عرصہ کے بعد تانا شاہ قلعہ سلطان نگر کے آثار دیکھنے کے لئے نکلا۔ یہہ وہی قلعہ تھا

جسکو سلطان محمد قطب شاہ نے موجودہ شرور نگر کے قریب حیدرآباد کی حفاظت کے لئے بنانا شروع کیا تھا، مگر اسکی بے وقت وفات نے اسکو نامکمل حالت میں چھوڑ دیا۔ سلطان ابوالحسن تانا شاہ کا خیال تھا کہ اس قلعہ کو مکمل کردیا جائے تاکہ حیدرآباد کے دونوں طرف دو مضبوط قلعے ہوں تو کوئی دشمن اس شہر میں قدم رکھنے کی جرات نہ کرسکے گا۔

بادشاہ نے ایک رات اور ایک دن سلطان نگر کا محل وقوع اور اسکی نامکمل فصیلوں اور برجوں کے معائنہ میں گذارا۔ وہ چاہتا تھا کہ اور دو روز قیام کرکے اسکی تعمیر کے جملہ مرحلوں کا تصفیہ کردے۔ لیکن دوسری رات اسکو نیند نہ آئی وہ بے چینی سی محسوس کر رہا تھا۔ رات تمام وہ ٹہلتا رہا۔ اور صبح ہونے سے قبل نہ معلوم کیا خیال آیا کہ اپنے خدم وحشم کو وہیں چھوڑ چند ملازمین خاص کو ساتھ لیکر گولکنڈہ کا رخ کیا۔

نصف النہار سے قبل وہ اپنے محل میں پہنچ گیا اور سیدھا ہجاہتی کے محل کا رخ کیا وہاں اسکے ملازمین ایک کمرے میں مقید ملے جن سے معلوم ہوا کہ دہقان زادی کو ملکہ پکڑ لے گئی ہے۔ تانا شاہ نے یہہ سنتے ہی بالاخانے پرچڑھکر ملکہ کے محل کے طرف نگاہ ڈالی۔ وہاں صحن میں ایک درخت کی پیڑ سے دہقان دوشیزہ کو باندھ دیا گیا تھا اور اسکے اطراف لکڑیوں کا انبار تھا جسکو ابھی ابھی آگ لگائی گئی تھی۔ غریب لڑکی چیخ رہی تھی مگر وہاں کوئی اسکی مدد کرنے والا نہ تھا بلکہ الٹا اسکو گالیاں دے رہی تھیں اور بڑھیا کہہ رہی تھی کہ تیری سزا تو اس سے زیادہ سخت ہوتی چاہئیے تھی۔

بادشاہ نے بالاخانہ ہی سے آواز دی کہ خبردار جو لڑکی کو ضرر پہنچنے پائے۔ بادشاہ کی

آواز سنتے ہی سب گھبرا گئے اور بے تحاشہ بھاگ نکلے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ بادشاہ کئی روز کے لئے قلعہ سے باہر گیا ہوا ہے اور وہ اُسوقت واپس آئیگا جب لڑکی کا نام ونشان بھی باقی نہ رہیگا

اس اثناء میں بادشاہ کے ملازمین خاص جو اس لڑکی کی حفاظت کے لئے مقرر کئے گئے تھے اور جنھیں بروقت تمام منصوبہ کرکے ملکہ کے ملازمین لڑکی کو کشاں کشاں لے گئے تھے پہنچ گئے۔ انہیں خود تانا شاہ نے آزاد کیا تھا۔ ملکہ کے محل میں پہنچتے ہی انہوں نے دوڑ کر دوشیزہ کی رسیاں کھولدیں۔ لڑکی کے کپڑے جل رہے تھے۔ بروقت تمام آگ بجھائی گئی۔ تانا شاہ نے قریب آکر لڑکی کو دیکھا۔ وہ آگ کی وحشت سے جو اس پر طاری ہوچکی تھی بادشاہ کو دیکھتے ہی اس نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوگئی۔

—— ۷ ——

جب لڑکی کو ہوش آیا تو اس نے معلوم کیا کہ وہ گولکنڈہ کے عالیشان محل کی جگہ ایک کھلی بارہ دری کے میدان میں لیٹی ہوئی ہے۔ وہ حیران تھی جنگل کی آزاد ہوائیں چل رہی تھیں اور دور دور تک سبزہ ہی سبزہ نظر آرہا تھا۔ اسکو پریشان دیکھکر ایک خادمہ نے آہستہ سے کہا:۔

"بادشاہ نے تم کو پیامنی پیٹھ کی شاہی بارہ دری میں منتقل کردیا ہے اور وہ ابھی تمہاری عیادت کے لئے آنے والے ہیں"

جب کئی ہفتوں کی نگہداشت کے بعد لڑکی پوری طرح صحتمند ہوگئی تو اسکو غسل صحت کرایا گیا اور اُس روز بادشاہ بھی اس غریب لڑکی کو صحتیابی کی مبارکباد دینے کیلئے پیامنی پیٹھ پہنچا۔ اثنائے گفتگو میں اُس نے اِس سروصحرا سے کہا:۔

"اب تم آزاد کردی گئی ہو تمہارا کھیت یہاں سے بالکل قریب ہے اور تمہارے بیل بھی محفوظ ہیں مجھے افسوس ہے کہ میری وجہہ سے تم کو ناحق دو مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا، اور یہہ دونوں ایسی سخت اور مہلک تھیں کہ تمہاری جگہ اگر کوئی محلات کی پروردہ ہوتی تو ختم ہی ہو جاتی۔ تمہاری ہمت اور قوتِ برداشت قابلِ تعریف ہے"۔

دہقان دوشیزہ نے دست بستہ عرض کیا کہ:۔

"حضور نے دو دفعہ میری جان بچائی ہے، اور دونوں وقت میری تیمارداری میں جو زحمت اٹھائی ہے اسکا تقاضہ ہے کہ میں عمر بھر کے لئے ظل اللہ کی لونڈی بنی رہوں۔ میری تمنا ہے کہ حضور ہی کی خدمت گذاری میں میری بقیہ زندگی صرف ہو جائے بشرطیکہ حضور بھی اس غریب کو اس قابل سمجھیں"۔

لڑکی کی شریفانہ گفتگو، اسکا میٹھا چہرہ، اسکی بیمار آنکھیں، اسکا سرو جیسا بلند و بالا قد، اور اسکی سادگی و پرکاری پیما متی ہیٹھو کے رومان آفرین ماحول میں حسن و لطافت کا اضافہ کر رہی تھیں۔ بادشاہ کے دل میں عشق و محبت کی بجھی ہوئی چنگاریاں بھڑک اٹھیں۔ وہ شاید منتظر تھا کہ کوئی اسکے نشئہ مضراب ساز کو چھیڑ دے۔ اس سروِ صحرا نے اس کی سوئی ہوئی قوتوں کو بیدار کر دیا اسکے جذبات پر بجلی گری۔ اسنے کہا:۔

"تمہاری ان پریشانیوں کی وجہہ سے مجھے تمہارے ساتھ ایک خاص دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ واقعہ تو یہہ ہے کہ تم نے اپنی ہمت اور کردار سے ثابت کر دیا کہ میرے لئے تم سے بہتر رفیق اور کوئی نہیں مل سکتا۔ میں اب تک دنیا میں اپنے آپ کو اکیلا سمجھتا رہا ہوں

ممکن ہے کہ تمہاری وجہہ سے میرا یہہ احساس تنہائی دور ہوجائے کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ میری اور تمہاری زندگی میں کئی باتیں مشترک ہیں تم نے بھی جنگل میں پرورش پائی اور میں نے بھی اپنی عمر کا ابتدائی زمانہ اسی آزاد ماحول میں گذارا ہے تم بھی یکایک محل کی زندگی گذارنے پر مجبور کردی گئیں اور مجھے بھی اسی طرح یکایک یہہ بھیس اختیار کرنا پڑا۔ میں سمجھتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ نے غیب سے تم کو بھیج کر ایسے اسباب پیدا کردئیے تاکہ میری یہہ مصنوعی زندگی حقیقت اور اصلیت کی جھلکوں سے محروم نہ رہے۔

۸

پہامتی بیٹھک کی شاہی بارہ دری کئی سال ویران رہنے کے بعد اس غریب دہقان زادی کی وجہہ سے پھر آباد ہوگئی حسن و عشق کی سرگرمیاں ہر خرابہ میں الفت پیدا کردیتی ہیں۔ بادشاہ ہر جمعرات کو قلعہ سے آیا کرتا اور ایک رات اور ایک دن اس آزاد دنیا میں بے تکلف زندگی گذار کر بعد نماز جمعہ قلعہ کو واپس ہوجاتا جہاں پانچ چھے روز تک اسکو ایک مدبر بادشاہ کا بھیس اختیار کرکے قطب شاہوں کی اس عظیم الشان سلطنت کے کاروبار انجام دینے پڑتے تھے۔

کئی سال تک غریب دہقان زادی اپنے حسن سے بادشاہ کے دل کو گرماتی رہی اسکا فکرمند دل اس سروِ صحرا کی سادگی و پرکاری سے غنچہ کی طرح کھل جاتا۔ وہ جب تک اس کے ساتھ رہتا شاہی وقار و تمکنت کو بھولا ہوا رہتا۔ اس کے پیشرو تاجدار گولکنڈہ نے ملک کی سیاست میں جو پیچیدگیاں پیدا کردی تھیں انکو سلجھانے رہنے میں چھ روز تک

اس کے دل و دماغ پر جو گرانی چھائی رہتی وہ سب بیامتی پیٹھ میں داخل ہوتے ہی حرفِ غلط کی طرح محو ہو جاتی۔ لیکن تانا شاہ کی قسمت میں عیش و آرام سے زیادہ رنج و غم کا حصہ تھا قدرت کو منظور نہ تھا کہ اس سروِ صحرائی سے وہ زیادہ دن تک لطف اندوز ہو سکتا۔ زہر اور آگ کے حادثوں کی وجہہ سے دہقان زادی کی صحت میں گھن لگ گیا تھا اسکو اندرونی طور پر حرارت آتی رہتی تھی وہ روز بروز نحیف ہوتی گئی آخر کار ایک وقت ایسا آیا کہ بادشاہ نے اس کی صحت کو خطرہ میں محسوس کیا شاہی طبیبوں نے اسکا بہت کچھ علاج کیا۔ لیکن اس کی حالت خراب ہوتی گئی۔ وہ بستر مرگ پر لیٹی ہوئی تھی وہ محسوس کر رہی تھی کہ اب اپنے محسن بادشاہ سے جدائی کا وقت قریب آگیا ہے اُس نے اپنی خادمہ کو اشارہ کیا جس نے بادشاہ کے قدموں کے پاس پانچ کشتیاں لا کر رکھدیں۔

غریب دہقان زادی نے بھرّائی ہوئی آواز میں بادشاہ سے عرض کیا:۔

"میں اپنی ہر چیز بادشاہ کے قدموں پر نثار کر چکی ہوں یہہ آخری امانت ہے جس کو پیش کر کے میں حضور سے اپنے اس قصور کی معافی چاہتی ہوں کہ اسکو ابتک چھپائے رکھا یہہ وہ جواہرات ہیں جو مجھے اس بارہ دری کے ایک مقفل کمرے میں محفوظ ملے تھے یہہ شاید پیامتی کی دولت ہے جس نے اپنے آقا سلطان عبداللہ قطب شاہ سے چھپا کر اسکو یہاں محفوظ کر دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں وہ مشہور ہیرے بھی ہیں جن کی وجہہ سے مرحوم بادشاہ اور وفا باز میر جملہ کے آپس میں نا چاقی ہو گئی تھی"

۹

غریب دہقان زادی کی وفات کا تاناشاہ کو بے حد صدمہ ہوا۔ وہ پھر سے خود کو دنیا میں اکیلا محسوس کرنے لگا تھا۔ لیکن ہر جمعرات کی شام کو وہ حسبِ عادت یہاں بیٹھ آتا اور اپنی اس رفیقِ زندگی کی یاد میں ایک رات اور ایک دن بسر کیا کرتا گولکنڈہ کی سلطنت کی طرح اس سروِ صحرا کے دیئے ہوئے ہیروں اور جواہرات کو بھی وہ ہمیشہ امانت سمجھتا رہا اور اِن دونوں کو آخر وقت تک سنبھالے رکھا۔ اس کی دیانت کا تقاضہ تھا کہ اُن کی حفاظت کے لئے مغلوں سے مردانہ وار مقابلہ کرتا۔ ورنہ وہ پہلے ہی روز اورنگ زیب سے صلح کر کے قطب شاہی سلطنت اور گولکنڈہ کے ہیرے اُس کے حوالے کر دیتا۔ تاناشاہ کی نظر میں اِن دونوں کی کوئی وقعت نہ تھی۔

دفینہ

گرمیوں کا زمانہ تھا۔ چلچلاتی دھوپ میں کھنڈروں میں آوارہ گردی کرتے کرتے تھک گیا تھا۔ صبح سے اب تک کئی ایک کنویں چھانے مگر اُس باولی کا پتہ نہ چلا جس کی نشاندہی کی گئی تھی۔ تھک کر نا امید ہو چکا تھا۔ سمجھ رہا تھا کہ اب ہمیشہ کے لئے دفینہ کا خیال چھوڑ دینا چاہئیے۔ گھر کا اندوختہ ختم ہو چکا تھا۔ تباہ حالی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور افلاس نے میری رہی سہی ہمت پر پانی پھیر دیا تھا۔

مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر راہرو میری اس آوارہ گردی کو شبہہ کی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ مجھے اندیشہ تھا کہیں قلعہ کے سپاہی مجھے کوئی مشکوک آدمی سمجھ کر گرفتار نہ کرلیں۔ میں عالم یاس میں کٹورہ حوض کے کنارے درخت کے سایہ میں ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ سڑک کے اُس پار ایک قدیم حویلی کے آثار نظر آرہے تھے جس کی پھاٹک پر سپاہیوں کا پہرہ تھا۔ اس کے درودیوار میں ایک خاص کشش تھی۔ میرا دل اس کی طرف کھچا جارہا تھا۔

میرے قریب ایک املی کے درخت کے نیچے چند بچے گولیاں کھیل رہے تھے۔ مجھے بھی

بچپن میں اس کا بڑا شوق تھا۔ میں اس وقت اُن کی خوشی اور بے فکری پہ رشک کر رہا تھا۔

ایک لڑکا کھیلتا کھیلتا اپنی گولی کے ساتھ ساتھ میرے قریب دوڑتا ہوا چلا آیا۔ اُس سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ایک رسالدار کا مکان ہے جہاں سپاہی رات دن پہرہ دیتے رہتے ہیں۔ میں نے پوچھا:۔

"میاں اِس مکان میں کوئی باولی بھی ہے؟"

لڑکے نے تعجب سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا:۔

"باولی اجی جناب ایسی اچھی باولی ہے کہ ہم سب کبھی کبھی اس میں تیرنے کیلئے جایا کرتے مگر اس وقت جب کہ رسالدار وہاں نہیں ہوتے اگر وہ مکان میں ہوتے ہیں تو ہم اُدھر کا خیال تک نہیں کر سکتے! وہ بڑا ظالم آدمی ہے! اس کی صورت دیکھ کر طبیعت گھبرا جاتی ہے۔ دیکھئے وہ مکان سے نکل رہا ہے۔"

میں نے دیکھا کہ ایک ادھیڑ سیاہ فام شخص سپاہیانہ لباس میں گھوڑے پر سوار دیکھتے دیکھتے نظروں سے اُوجھل ہو گیا۔ میں نے لڑکے سے پوچھا:۔

"جب یہ گھر میں ہو تو کیا پہرہ والے تمہیں اندر جانے سے نہیں روکتے؟"

"اجی جناب پہرے کے سپاہیوں کو خبر تک نہیں ہونے پاتی۔ باولی تو مکان کے پچھواڑے میں ہے۔ اور ہم سب دیوار پھاند کر باولی تک پہنچ ہی جاتے ہیں۔ وہاں دوپہر میں کوئی نہیں ہوتا۔"

میرے کئے اس لڑکے نے وہ کام کیا جو شاید حضرت خضر بھی نہ کر سکتے۔ مگر کیا تعجب کہ وہ اسوقت اسی لڑکے ہی کے بھیس میں میری رہنمائی کے لئے آئے ہوں!

میں تھوڑی ہی دیر میں رسالدار کے مکان کے پچھواڑے میں تھا۔ وہاں واقعی کوئی نہ تھا۔ احاطہ میں پہنچتے ہی مجھے باولی نظر آگئی میں نے تیزی سے قدم بڑھائے۔ قریب پہنچا تو اندر سے باتوں کی آواز سنائی دی۔ میں جھجک گیا تھوڑی دیر ایک درخت کی آڑ میں ٹھیرا رہا بچوں کے ہنسنے کی سی آوازیں آرہی تھیں۔ میں ہمت کرکے باولی کی منڈیر تک پہنچ ہی گیا نیچے جو نگاہ ڈالی تو پانی کے کنارے سیڑھیوں پر ایک ماہ پیکر دوشیزہ بیٹھی ہوئی دکھائی دی۔ وہ نہانے میں مصروف تھی۔ اسکے لانبے لانبے سیاہ بال اس کے سڈول کندھوں پر سے اسکی نازک کمر تک پہنچ کر پشت پر سانپوں کی طرح لہرا رہے تھے اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پیتلی لوٹا تھا جس سے پانی لے لے کر وہ اپنے سر اور جسم پر انڈیلتی جارہی تھی۔ اسکی ہر حرکت اسکے حسین و نازک جسم کے نشیب و فراز کو نمایاں کرتی جاتی تھی۔ اس کے گورے گورے بازوؤں پر آفتاب کی تمازت کی وجہہ سے ہلکی سی سرخی جھلک رہی تھی۔ ہر دفعہ جب وہ اپنے سر پر پانی کا لوٹا انڈیلتی اس کے سیاہ بل کھاتے ہوئے بال اسکے صاف و شفاف جسم پر کبھی پھیلنے لگتے اور کبھی کروٹیں بدلکر رہجاتے۔ اس کے اشنان کے مقام سے کسیقدر فاصلہ پر ایک خادمہ اسکی پوشاک لئے ہوئے بیٹھی تھی۔ اور وہ بھی اس کی ہم سن معلوم ہوتی تھی وہ دور سے اپنی آقازادی کی طرف پانی اچھال اچھال کر خوشی کا اظہار کر رہی تھی جس کے جواب میں

وہ نازنین بھی نہاتے نہاتے اسکی طرف پانی اچھال دیتی اور کبھی جھنجھلا کر ڈانٹ بھی دیتی تھی۔

اِن دونوں کی باہم خوش فعلیاں ایسی فردوس نظر تھیں کہ میں نہ معلوم کتنی دیر تک ساکت و صامت کھڑا تکتا رہا۔ میں اسوقت چونکا جب عقب سے کسی کے چلنے کی آواز آئی۔ میں چونکا یک اسطرف پلٹا تو میرے ہاتھ کی غیر ارادی حرکت سے ایک چھوٹا سا پتھر بوسیدہ منڈیر سے جدا ہو کر باولی میں جا گرا۔

پتھر کے پانی میں گرنے کی آواز نے اُن دونوں کو میری طرف متوجہ کر دیا۔ جونہی خادمہ کی نظر مجھ پر پڑی اس کے منہ سے بیساختہ نکلا کہ "شیطان ہے!" حسین دوشیزہ ابھی سنبھلنے نہ پائی تھی۔ اسکو اپنے جسم کی نیم عریانی کا خیال آیا اور وہ کپڑوں کے لئے اپنی خادمہ کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہتی تھی کہ پاؤں پھسلا اور وہ دھم سے باولی میں گر پڑی۔ خادمہ نے چیخنا چلّانا شروع کیا۔

مجھے جب اس غیبی آواز سے اطمینان ہوا اور میں نے دیکھا کہ ایک بکری سوکھے پتوں پر چل رہی ہے تو میں نے پھر باولی کی طرف نگاہ دوڑائی وہ نازنین سیڑھیوں پر پہنچنے کی کوشش میں غوطے کھا رہی تھی اور اسکی بھولی بھالی خادمہ روتی ہوئی کھڑی تھی۔ میں سیڑھیوں پر سے چھلانگ مارتا ہوا ایک آن میں نیچے پہنچ گیا اور فوراً پانی میں کود کر لڑکی کو باہر نکال لایا۔ وہ کانپ رہی تھی میں اسکو سیڑھیوں ہی پر چھوڑ دیتا مگر مجھے اندیشہ تھا کہ وہ اتنی

ہیبت زدہ ہوگئی ہے کہ کہیں دوبارہ نہ گر پڑے۔ میں نے اضطراری طور پر اسے پھر اٹھالیا اور سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔ میرا سانس پھول گیا تھا۔ اس اثنا میں لڑکی کی حالت سنبھل چکی تھی۔ چند سیڑھیاں باقی تھیں کہ وہ مضطرب ہو کر میری گود سے اتر پڑی۔ اور رکتے رکتے کہا کہ

"آپ چلے جائیے۔ اگر میرے والد دیکھ لیں تو آپ کی خیر ہے نہ میری!"

آقازادی کی آواز سنکر خادمہ کی جان میں جان آئی۔ خوف اور دہشت کے مارے اس کی زبان بند ہوگئی تھی۔ وہ میرے پیچھے کپڑے سنبھالتی ہوئی تیز تیز چڑھ رہی تھی۔ اب جو آقازادی کی آواز سنی اسنے للکار کر کہا۔

"جاتا کہاں ہے؟ میں ابھی پہرہ میں دیتی ہوں۔ شریفوں کے گھروں میں اسطرح کوئی گھس آتا ہے؟ یہہ تو کوئی چور معلوم ہوتا ہے سرکار کے ہاتھ سے کوڑے کھائے گا تو یہہ عادت چھوٹے گی" لڑکی نے خادمہ کو خاموش رہنے کے لئے اشارہ کیا اور چادر میں اپنے جسم کو چھپاتے ہوئے نہایت متانت سے کہا:۔

"آپ خدا کے لئے جلد نکل جائیے ورنہ آپ پر کوئی نہ کوئی بلا ضرور نازل ہوگی"

اس مجسمۂ حسن نے یہہ الفاظ کچھ ایسے انداز سے کہے کہ میں سٹپٹاتا اپنے بھیگے کپڑوں کو نچوڑتا ہوا دیوار پھاند کر باہر نکل گیا۔

رات بھر مجھے نیند نہ آئی۔ آنکھیں بند کرتا تو بادلی اور اسکا منظر سامنے آجاتا۔ آنکھیں کھلی رہتیں تو معلوم ہوتا کہ اس نازنین دوشیزہ کو اٹھائے ہوئے دوڑ رہا ہوں اور اس کے

دھڑکتے ہوئے دل کی حرکت میرے دل کو محسوس ہو رہی ہے۔ اسکی شیریں آواز کانوں میں گونج رہی تھی۔ اور رہ رہ کر اسکے کانپتے ہوئے ہونٹوں کے اچٹتے ہوئے الفاظ سنائی دے رہے تھے۔ اسکے نرم و نازک اعضا کا میری گرفت سے نکلنے کے لئے تڑپنا، اس کے صاف و پاک جسم کی میرے بھیگے ہوئے کپڑوں سے آلودگی، اور سب سے بڑھکر ایک ماہ پیکر دوشیزہ کی اس بے حجابانہ عالم میں ایسی قربت و پیوستگی مردہ دل سے مردہ دل شخص کو گرمانے کے لئے کافی تھی۔ پھر میں تو ایک ایسا نوجوان تھا جسکو اپنی عمر میں پہلی دفعہ ایک عورت، ایک نازنیں، ایک پیکر رنگ و بو، ایک مجسمۂ حسن، ایک غزالِ رعنا کی قربت نصیب ہوئی تھی مجھے فخر تھا کہ میں نے اسکی جان بچائی ہے۔ اور اسطرح اس سے ایک گونہ تعلق اور اس پر ایک طرح کا حق پیدا کر لیا ہے۔

مگر میرا یہ احساسِ فخر و امتیاز فوراً زائل ہو گیا جب میری نظر اپنی مفلوک الحالی اور آوارگی پر پڑی۔ اب مجھے اپنے آبا و اجداد کا دفینہ حاصل کرنے کی ضرورت شدت سے محسوس ہونے لگی۔ دفینہ کا خیال آتے ہی پھر وہی یادلی میری نظروں کے سامنے تھی۔ میں پہلی ہی نظر میں اُس کے وہ خاص آثار اور نشانیاں دیکھ چکا تھا جنکی طرف میری ضعیف والدہ نے اپنے آخر وقت میں وصیت کرتے ہوئے اشارہ کیا تھا۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ کیوں میرا دل اُس مکان کے در و دیوار کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ میں کٹورہ حوض کے کنارے درخت کے سایہ میں بیٹھا ہوا جو غیر معمولی کشش محسوس کر رہا تھا اسکی وجہ شاید یہی ہو کہ وہ میرا خاندانی مکان ہے جسکی یاد میں میری والدہ عمر بھر بے چین رہیں۔ جہاں میں پیدا ہوا تھا اور ابھی ایک سال کا

گولکنڈہ کے ہیرے دفینہ
بھی ہونے پایا تھا کہ گولکنڈہ کی سلطنت کو زوال آیا۔ محاصرہ کے دوران میں میرے دادا نے اپنا تمام خاندانی زر و جواہر اس باولی کی ایک دیوار کے تلے دفن کر دیا تھا۔ اور جب وقت آیا تو میرے دادا، میرے والد اور میرے ماموں سب اپنے عزیز وطن کی مدافعت میں شہید ہو گئے۔ میری نانی کہا کرتی تھیں "اشرف! تو بڑا منحوس ہے کہ تیری پیدائش کے بعد ہی ایک سال کے اندر اندر ہمارے گھر کے سب مرد چل بسے۔ اور ہمکو بے خانماں ہو کر گولکنڈہ سے نکلنا پڑا۔"

میں محو خیال تھا۔ میرے دل پر غم و غصہ کے بادل امنڈ رہے تھے۔ میں بالکل بے بس تھا میرے لئے اپنے آباو اجداد کی دولت اور مکان پر قبضہ کرنا آسان نہ تھا۔ اب اس پر ایک ظالم اور تند خو رسالدار قابض تھا جسکا چہرہ وحشت اور خشونت کی کثرت سے کریہہ المنظر ہو گیا تھا لیکن وہ دوشیزہ! اسکا جسم تو حریر و پرنیاں سے زیادہ نرم و نازک تھا! اسکی آنکھوں میں دلوں کو مسخر کر لینے والی موہنی تھی۔ اسکی آواز نغمہ سے زیادہ شیریں اور اسکے الفاظ جادو سے زیادہ پُر اثر تھے! میں سوچتا کہ کیا وہ اُسی کی لڑکی ہو گی؟ فطرت بھی عجیب ستم ظریف ہے! اسنے آگ اور پانی، اور نور اور ظلمت کو اس گھر میں یکجا کیا ہے یا اس پری پیکر کے ساتھ کسی دیو کو متعین کر دیا ہے؟ اسکے جسم کی لطافت، اسکے چمکدار اور نرم نرم بالوں کی خوشبو اور اسکے تنفس کی گرمی مجھے اب تک محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے صبح ہونے کا بھی انتظار نہ کیا اور فوراً قلعۂ گولکنڈہ کی طرف نکل پڑا۔

صبح کا سہانا وقت تھا۔ آفتاب کی کرنیں ابھی صرف بالا حصار کی چوٹیوں اور مسجد ابراہیمی کے میناروں کا طواف کر رہی تھیں قلعہ کی آبادی میں ہر طرف سناٹا سا چھایا ہوا تھا سڑکیں خاموش تھیں۔ کٹورہ حوض کے پانی پر بھی سکوت کا عالم طاری تھا۔ رسالدار کی ڈیوڑھی پر پہرہ کا سپاہی دیوار کا سہارا لئے کھڑا ہوا اونگھ رہا تھا۔ اس عالم سکوت کو ایک گھنٹی کی ہلکی سی آواز نے توڑا۔ اب پہرہ والا چونک کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ بازو کی گلی سے ایک بوڑھا سقہ اپنے بیل کو ہانکتے ہوئے پھاٹک میں داخل ہوا یہ گھنٹی اسی کے بیل کے گلے میں بندھی ہوئی تھی رفتہ رفتہ سڑک پر لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ مکانوں کے دروازے کھلنے لگے۔

آفتاب کی شعاعیں بالا حصار سے محلات کی فصیلوں پر اتریں اور آہستہ آہستہ تمام فضا پر چھا گئیں محلہ کے لڑکے بھی اِدھر اُدھر دوڑتے نظر آنے لگے میں اُسی درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ کل جس لڑکے سے دوستی ہو گئی تھی وہ بھی ایک گلی سے نکلا اور مجھے دیکھتے ہی میری طرف چلا آیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ سقہ اسی پچھواڑے کی باولی سے پانی اوپر لا کر بیل پر کی مشکوں میں بھرتا ہے اور پھر گھر کے تمام برتنوں میں ڈالتا ہے۔ اسکے علاوہ گھر کے درختوں کو بھی پانی سے سیراب کرنے کا کام اسی کے سپرد ہے۔

مجھے ایک ترکیب سوجھی۔ میں نے لڑکے کو ساتھ لے جا کر سقہ کا مکان دیکھ لیا اور پھر واپس آ کر اس کے باہر نکلنے کے انتظار میں کھڑا رہا۔

بوڑھا سقہ نہایت شریف اور سادہ سیدھا انسان تھا۔ اسکی گفتگو سے معلوم ہوا کہ

وہ ان معدودے چند اشخاص میں سے ہے جنھوں نے آخر وقت تک قطب شاہوں کا ساتھ دیا اور شکست کے بعد بھی اپنے پیارے قلعہ کو نہ چھوڑا۔ اسکے دو نوجوان لڑکے قلعہ کی مدافعت کرتے ہوئے جان دے چکے تھے اور وہ خود بھی زخمی ہو کر اپنے گھر میں پڑا تھا جبوقت مغل فوجیں قلعہ کا جائزہ لے رہی تھیں۔

وہ تانا شاہ بادشاہ کے واقعات بیان کر رہا تھا اور اسکی آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا جاری تھے۔ اسکی باتوں سے مجھ پر بھی رقت طاری ہو گئی۔ اور اب میری سمجھ میں آیا کہ اہل گولکنڈہ اپنے ستمدیدہ بادشاہ کے کیسے گرویدہ تھے اور میری والدہ ابراہیم پٹن سے حیدرآباد آتے وقت شہر کی ایک ایک عمارت کو دیکھکر اسکی ویرانی و تباہی پر کس لئے آنسو بہا رہی تھیں۔ میری عمر دس سال کی تھی جب میری ضعیف والدہ مجھے حیدرآباد لے آئیں۔ راستہ میں دونوں طرف اونچی اونچی عالیشان عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔ راستے ختم ہونے ہی نہ پاتے تھے اور بعض مکان تو اتنے بلند نظر آتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ انکی چھتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ میں تو ایک ایک چیز کو دیکھکر خوش ہو رہا تھا مگر میری والدہ زار و قطار رو رہی تھیں۔

نیکدل سقہ میرے حالات سنکر میرے سینے سے لپٹ گیا۔ اسکی سفید ڈاڑھی آنسوؤں سے تر تھی۔ اسنے میرے قدموں پر سر رکھدیا اور کہا کہ "آپ میرے آقا زادہ ہیں۔ آپ نہیں جانتے میرا خاندان آپ ہی کے گھر کا پروردہ ہے۔ مگر میری سمجھ میں یہ نہ آیا کہ آپکی حالت ایسی کیوں ہو گئی ہے؟ آپکی ڈیوڑھی تو زر و جواہر سے معمور تھی۔ آپکے دادا امیر جملہ کے ساتھ ہیروں کی کانوں کی

گولکنڈہ کے ہیرے
دفینہ
کھدائی میں شریک تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ میر جملہ بادشاہ کے ساتھ غداری کرنے پر آمادہ ہے اور بد دیانتی کرکے بڑے بڑے ہیرے خود چھپائے رہا ہے تو آپ کے دادا بہت سے ہیرے اُس سے چھین کر اپنی فوج کے ساتھ گولکنڈہ چلے آئے اور بادشاہ کے حضور میں وہ ہیرے پیش کرکے اسکو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ عبداللہ قطب شاہ انکے جذبۂ وفاداری سے بہت خوش ہوا اور وہ سب ہیرے انہی کو انعام میں دیدیئے۔ چنانچہ انکی اتنی شہرت تھی کہ فتح گولکنڈہ کے بعد مغلوں نے آپکے مکان کو سب کھود ڈالا مگر وہ دولت نہ ملی۔ ہم تو یہی سمجھتے تھے کہ آپ کی نانی اور والدہ قلعہ سے نکلتے وقت سب کچھ اپنے ساتھ لیتی گئیں۔"

میں نے آہ سرد بھر کر کہا:۔

"نہیں بھلے آدمی تمکو نہیں معلوم۔ انہوں نے بہت کچھ اِسی مکان میں چھوڑ دیا ہے اور جو کچھ وہ اپنے ساتھ لیجا رہی تھیں اسکو بھی قلعہ سے باہر نکلتے ہی مغل سپاہیوں نے لوٹ لیا میری نانی اور میری والدہ نے اپنے گھر اور اپنی دولت سے محروم ابراہیم پٹن میں آٹھ دس سال بڑی مصیبت اور افلاس میں صرف اس توقع پر زندگی گذار دی کہ میں بڑا ہو کر اپنے دادا کا دفینہ نکالوں گا اور انکی زندگی کے آخری دن راحت اور آرام سے گذریں گے۔ مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا۔ ابراہیم پٹن ہی میں میری نانی کا انتقال ہو گیا انکے بعد میری والدہ کا دل گاؤں سے بیزار ہو گیا۔ وہ قلعۂ گولکنڈہ اور شہر حیدرآباد کو ترس گئی تھیں۔ آخر کار وہ مجھے حیدرآباد لے آئیں۔ مگر افسوس ہے کہ یہاں تین چار سال سے زیادہ زندہ نہ رہ سکیں انکی وفات نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ اب میرے یہاں کچھ نہیں ہے۔ اگر تم میری مدد کرو تو ہمارے مکان سے

پچھواڑے کی باولی سے دفینہ نکل سکتا ہے۔ بیں اس میں سے تم کو بھی حصہ دونگا۔

دوسرے دن علی الصبح ہم باولی پر پہنچے۔ میں پچھواڑے سے داخل ہوا اور سقہ اپنی عادت کے مطابق بیل لے کر پھاٹک میں سے اندر آیا ہم دونوں نے کھودنا شروع کیا۔ بمشکل ایک پتھر ہٹایا تھا کہ کم بخت رسالدار آدھمکا۔ اُس نے ہماری گرفتاری کا حکم دیا۔ اور مجھے اور غریب سقہ کو چند کوڑے بھی مارے۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ہم دفینہ کی تلاش میں ہیں کیونکہ اس نے ہم کو دیکھتے ہی للکار کر کہا:۔

"اچھا اب معلوم ہوا کہ دفینہ کہاں ہے!"

ہم دن بھر پھاٹک کے پہرہ پر لوہے کی موٹی موٹی زنجیروں میں بندھے رہے۔ غریب سقہ دم بخود تھا مجھے اسکی ضعیفی اور شرافت نفس پر رحم آرہا تھا میں بڑا نادم تھا کہ میری وجہہ سے اسکو بھی یہ ذلت نصیب ہوئی۔ سقہ کے پا بہ زنجیر ہونے سے رسالدار کی لڑکی کو بھی صدمہ ہوا۔ وہ اس غریب کو بہت چاہتی تھی۔ کیونکہ یہی ایک مرد تھا جسکے سامنے اسکو بے پردگی کی اجازت تھی۔ اور بوڑھا بھی لڑکی کی مروت اور نیک نفسی کا قائل تھا چنانچہ جب ڈیوڑھی میں کام کرتا تھا اپنی بھولی بھولی باتوں سے اسکو خوش کیا کرتا سقہ سے مجھے معلوم ہوا کہ اس لڑکی کو بانو پکارتے ہیں۔ اسکی والدہ فوت ہوچکی ہے اور اب اس گھر میں اسکے ساتھ اسکی نانی رہتی ہے جو ضعیف العمر ہونے کی وجہہ سے نابینا ہوگئی ہے۔

بانو نے سقہ کے لئے دو وقت باپ سے چھپا کر کھانا بھجوایا۔ اور سہ پہر میں جب رسالدار کچھ دیر کیلئے باہر گئے تو بوڑھے سقہ کو تسلی دینے کے لئے وہ خود ڈیوڑھی تک آئی۔ جب اُس دوشیزہ نے

سقہ کے ساتھ مجھے بھی دیکھا تو اسکی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ سقہ کو باؤلی کے حادثہ کا علم نہ تھا۔ وہ حیران تھا

آج اس دوشیزہ پر پچھلے اور ہی نکھار نظر آرہا تھا۔ کپڑے اسکی رعنائیوں کو چھپا نہ سکتے تھے۔
سچ ہے حسن لاکھ پردوں میں بھی نہیں چھپ سکتا۔ لڑکی کو اسطرح سرو قد دیکھکر میرے جذبات میں پھر سے ایک ٹھیس لگی۔ قید کی ذلت کی وجہہ سے میں اپنے عشق کو فراموش کرچکا تھا۔ مجھ پر ابھی محویت ہی کا عالم طاری تھا کہ وہ نازنین نظروں سے غائب ہوگئی۔ ایسا معلوم ہوا کہ ایک بجلی تھی جو آنکھوں کے آگے کوند گئی۔

مجھے بالکل خیال نہ رہا کہ میں اسوقت مقید ہوں۔ میرا تخیل آزاد تھا۔ اُس مہہ جبین کے جلوہ نے میرے خیالات کے جمود کو توڑ دیا۔ گویا آب بستہ میں لہر پیدا ہوگئی۔ ظلمات میں شمع روشن ہوگئی میرے جذبات بیدار ہوگئے۔ بوڑھا سقہ میرے قلب و دماغ کی کیفیتوں سے ناآشنا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ خادمہ میوہ اور مٹھائی لئے ہوئے پہنچی اور سقہ سے کہا کہ:۔

"صاحبزادی نے بھیجا ہے تاکہ تم اپنے مہمان کی خاطر خواہ تواضع کرسکو"

سقہ کی پریشانی میں اور اضافہ ہوگیا جب اس نے دیکھا کہ خادمہ بھی مجھے گھورتی کھڑی ہے

اسنے مجھ سے پوچھا:۔

"یہ کیا بات ہے کہ جو آتا ہے آپ کو ایسی نظروں سے دیکھتا ہے گویا پہلے کبھی دیکھ چکا ہے۔ آپ نے مجھ سے کچھ ضرور چھپا رکھا ہے ورنہ اس میوہ اور مٹھائی کا یہہ کیا موقع تھا"

میں خاموش تھا۔

رات قید خانہ میں آرام سے گذر گئی۔ میرے لئے یہہ خیال سب سے زیادہ مسرور کن تھا کہ کسی کا مہمان ہوں۔ رسالدار نے قید کرکے مجھ پر احسان کیا تھا۔ نیک نفس بانو نے ہم دونوں کے آرام کے ایسے اسباب مہیا کردئے تھے جو ہمیں گھر میں بھی نصیب نہ تھے۔

پچھلی پہر سے مکان میں کچھ ہلچل سی سنائی دے رہی تھی۔ مگر اصل واقعہ صبح ہوتے ہوتے معلوم ہوا کہ رسالدار صاحب رات سے غائب ہیں سپاہیوں نے ہر جگہ ڈھونڈھا مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ بانو کی پریشانی کے تصور نے مجھے بھی بے چین کردیا۔ علی الصبح بوڑھے سقہ کی زنجیر کھلوادی گئی تھی کیونکہ پانی کی ضرورت تھی۔ سقہ اپنے گھر سے بیل لے آیا اور حسب عادت سیدھا باولی کی طرف گیا۔ وہاں اسنے دیکھا کہ ہم نے جہاں سے پتھر اکھیڑا تھا اسی جگہ سے اور چند پتھر نکالے گئے ہیں۔ وہ سمجھ گیا کہ یہہ رسالدار کے سوا اور کسی کا کام نہیں ہوسکتا۔ اسنے ادہر ادُہر نظر دوڑائی۔ باولی میں ایک طرف رسالدار کے شملہ کا سرا نظر آرہا تھا۔ اسنے دیکھا کہ رسالدار دیوار سے پتھر نکالتے وقت بے احتیاطی کرکے باولی میں گر گیا ہے۔ وہ فوراً مکان کی طرف دوڑا۔ آن کی آن میں بدبخت رسالدار کی لاش باولی سے نکال لی گئی اور مکان میں شور و فغاں سے ایک کہرام مچ گیا۔

رسالدار کو دفن کرکے واپس ہونے کے بعد سقہ نے بانو کے ماموں سے ہمری رہائی کی درخواست کی۔ وہ بھی رسالدار تھا۔ اس نے ہمرے جرم کی تحقیقات کرنی چاہی۔ لیکن بانو نے اپنے ماموں سے یہہ کہکر مجھے رہا کرادیا کہ :۔

"یہہ شخص صرف اس جرم پر قید کردیا گیا تھا کہ قلعہ میں آوارہ گردی کرتا رہتا ہے"

اس حادثہ کے بعد ہمارے لئے دفینہ نکال لینا بہت آسان تھا ہم بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ بوڑھے سقہ کی مدد کے بغیر میں اپنی خاندانی دولت پر کبھی قابض نہ ہو سکتا جب مجھے جواہر کے صندوق مل گئے تو میں نے آدھا حصہ بوڑھے سقہ کے سامنے رکھدیا مگر اسنے لینے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ "آپکی خدمت کرنا میرا فرض منصبی تھا میرے لئے یہی خوش قسمتی کیا کم ہے کہ آخر عمر میں اپنے آقا کے چشم و چراغ اور اپنے قدیم محسنوں کی واحد یادگار کے کام آسکا"

دولت کے حاصل کر لینے کے بعد میری خوشی غم سے بدل گئی کیونکہ مجھے بار بار اپنی نانی اور والدہ کا خیال ستا رہا تھا۔ ان دونوں نے اپنی زندگیاں سخت افلاس میں بڑی مصیبتوں میں بسر کیں۔ اور اس دولت سے مستفید ہونے کی تمنا اپنے ساتھ لیتی گئیں۔ انکا ابتدائی زمانہ عیش و آرام میں گذرا تھا اور اس دولت کا صحیح مصرف تو یہی تھا کہ ان کے آخر وقت میں یہ انہی کے کام آتی۔

میں نے اب قلعہ کے قریب ہی کاروان میں ایک عالیشان محل خرید لیا ہے بوڑھے سقہ کو مجبور کر رہا ہوں کہ گولکنڈہ کے کھنڈروں کو چھوڑ کر میرے ساتھ یہیں آرہے۔ مگر وہ اب تک انکار کئے جا رہا ہے۔ اسکی وضع داری سے توقع نہیں ہے کہ وہ جیتے جی قلعہ سے نکلے گا۔ میں تمام عمر اسکا شکر گذار رہونگا۔ اسکی مدد سے یقین ہے کہ دولت کی طرح رسالدار کی حسین لڑکی بھی مجھے مل جائیگی جس زر و جواہر سے بڑھکر کمیاب ہے۔ اگر وہ حسن کی دیوی مجھے مل جائے تو آج دنیا میں مجھ سے زیادہ خوش قسمت اور کون ہو سکتا ہے؟

طلسم تقدیر

زوال گولکنڈہ کے بعد کا ایک نیم تاریخی افسانہ جو بارہ[۱۲] سال قبل مولوی محمد افضل شریف صاحب مدیر رسالہ ارتقا (سکندرآباد) کی فرمائش پر قلمبند کیا گیا اور انہی کے اہتمام سے ۱۳۴۲ء میں کتابی صورت میں شائع ہوا تھا۔

سخن ہائے گفتنی

ہم نہیں چاہتے کہ تقدیر اور تدبیر پر طویل بحثیں کی جائیں کیونکہ وہ باوجود سخت سے سخت ہنگامہ آرائیوں کے پایان کار سعی لاحاصل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ یہ قصہ صرف اس لئے پیش کیا جارہا ہے کہ محنت، توجہ اور دور اندیشی کے قطعی ثمروں کو روشناس کرایا جائے اور وہ بدبختیاں دکھائی جائیں جو اکثر لاابالی پن، ناقہمی اور ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنے کا نتیجہ ہوتی ہیں انسان کو خود اپنی قسمت کا آپ معمار ہونا چاہئے اسلئے کہ خدا امداد کرتا ہے انہی لوگوں کی جو اپنی آپ مدد کرتے ہیں۔ ایک شاعر نے لکھا تھا اور کس قدر درست لکھا تھا کہ خدائے تعالیٰ نے ہر شخص کو ایسے ہاتھ ضرور عنایت کئے ہیں جو آسمانوں تک پہونچ سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ پھیلائے جائیں دنیا میں کوئی کام ایسا نہیں جو ناممکن ہو، صرف ایک نپولین بونا پارٹ کی ضرورت ہے مگر ہر شخص نپولین نہیں بن سکتا، اس لئے نہیں کہ وہ بننا نہیں چاہتا بلکہ اس لئے کہ وہ بننے کی کوشش نہیں کرتا۔ کیا نپولین بننے کے معنے صرف یہی ہیں کہ کوئی شخص فرانس کے مخالفین کو پے در پے زک دیا کرے؟ سوئٹزرلینڈ کے دشوار گذار راستے طے کرے؟ مصر اور سوڈان یا جرمنی اور یونان پر دھاوے کرے؟ اور آخر کار ایک زبردست شہنشاہ بن جائے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

ہر وہ شخص جو اپنے ماحول کی مخالف قوتوں کو اپنی انتھک کوششوں کے ذریعہ توڑ دیتا ہے اور اپنے راستے کی رکاوٹوں کو اپنی غیر معمولی جرأت و ہمت سے دور کر دیتا ہے، صحیح معنوں میں نپولین بن سکتا ہے۔ وہ نپولین نہیں، جو جزیرہ سینٹ ہلینا میں بے کسی اور لاچارگی کی موت ! بلکہ وہ نپولین جس کی خاطر لاکھوں بنی نوع انسان جان دینے کے لئے تیار رہا کرتے تھے اور جس کی عظمت کے آگے روئے زمین کے جابر و مطلق العنان حکمراں بھی سرنگوں ہو جاتے تھے

کائنات انصاف پر مبنی ہے، وہ خود انصاف کرتی ہے اور منصف مزاجوں کو پسند بھی کرتی ہے، جو شخص اس کے حق میں انصاف کرتا ہے وہ اس کا بدلہ دئیے بغیر نہیں رہتی جو کوئی دنیا میں، اُس دنیا میں جو محشرستان حادثات ہے، دیکھنے والی آنکھ سننے والے کان، سوچنے اور سمجھنے والی عقل اور متاثر ہونے والے دل کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے، زمانہ اس کے لئے تماشہ کے طور پر رنگ برنگ کے نظارے پیش کرتا جاتا ہے۔ دنیا اس کی خاطر قسم قسم کے ترنم خیز نغمے چھیڑتی جاتی ہے، کائنات اس کی دلچسپی کے واسطے آئے دن نئی نئی چیزیں ظاہر کرتی جاتی ہے اور عالم اس کو ہر وقت ایک ایسی شکل میں نظر آنے لگتا ہے جس سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

جو شخص خود غرض ہے، خود پرست ہے اور خود نما ہے دنیا بھی اُس کو خود غرض خود پرست اور خود نما نظر آئیگی وہ جب تک دوسروں کی روٹیوں پر کی دال اپنی روٹی پر کھینچتا رہے گا۔ دسترخوانِ عام سے اُس کو بھوکا اٹھنا پڑیگا، وہ جب تک اپنے گھمنڈ میں سرشار رہے گا کائنات کا ایک ایک ذرّہ آفتاب بن کر اُس سے علیحدگی چاہے گا، وہ جب تک

ہر معاملہ میں "من چیزے ہستم" کی صدا بلند کرتا رہے گا ہر ایک معاملہ اس کو "چیزِ دیگر" کی شکل میں نظر آتا جائے گا کائنات اور اس کی ساری مخلوق خود انسان کی قلبی اور ذہنی کیفیات کا آئینہ ہوتی ہے ہمدرد انسان کے ساتھ دنیا کی ساری مخلوق ہمدردی کرنے کے لئے بڑھتی ہے، جس شخص میں خلوص ہوگا، دنیا کا ذرہ ذرہ اس سے بغلگیر ہونے کے لئے اپنے آغوش کو وسیع کرے گا، جو کوئی محبت بھری آنکھوں سے زمانہ پر نظر ڈالتا ہے زمانہ کا ہر منظر اُسکو اپنی طرف کھینچنے اور اس کی دلجوئی کرنے میں محو نظر آتا ہے۔ جہاں کہیں کوئی شخص کسی مقصد کی خاطر محنت اور استقلال سے کام کرتا ہے، خود اس کا مقصد اُس کی طرف کھنچا چلا آتا ہے۔ مقاصد گھاس پھوس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، لیکن کس کے نزدیک؟ اس انسان کے نزدیک، جس کے پاس محنت اور استقلال کا کہربا ہوتا ہے، جس میں اسکا فقدان ہوتا ہے اسکو اپنے راستہ کا ایک ایک روڑا بھی ہمالیہ کی فلک بوس چوٹیوں سے زیادہ دشوار گذار اور ناقابل عبور نظر آتا ہے انسان کی فطرت میں ہزارہا قسم کی قوتیں ودیعت کر دی گئی ہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ ان سے واقف ہو کر ان سے کام لینے کی کوشش کی جائے۔ کہنے کو تو تمام آدمی ہم نژہ وہم قوت ہیں لیکن ایک شخص سلطان علاؤالدین حسن گنگو بن جاتا ہے تو دوسرا ایک معمولی دیہاتی کسان، اس لئے نہیں کہ اول الذکر کسی بادشاہ یا امیر کے گھر پیدا ہوا تھا، بلکہ اسلئے کہ ہمت اور استقلال کے دیوتاؤں کو اس نے اپنا ہمدم بنا لیا تھا، اس لئے نہیں کہ اسکو "مواقع" حاصل ہو گئے تھے، بلکہ اِس لئے کہ اس نے اپنی محنت اور دیانت کے ذریعہ "موقعوں" کو اپنی طرف آنے کا موقع دیا۔ اِس موقع پر مناسب ہوگا کہ ایک پرانے سبق کو دہرایا جائے

جس میں "تم" کے عنوان کے ماتحت کئی خیالات ایک انگریزی مضمون سے اخذ کر کے شایع کئے گئے تھے

(۱)

کیا تم جانتے ہو کہ تمام دنیا میں سب سے زیادہ عظیم الشان آدمی کون ہے؟ وہ نہ تو بادشاہ ہے، نہ ویسرائے نہ تو پاپائے روم ہے، نہ صدر جمہوریۂ امریکہ۔ اور نہ تو ایسا شخص ہے جسکی قوت، حیثیت یا دولت لوگوں کو رشک یا پرستش پر آمادہ کر دے بلکہ وہ خود "تم" ہو اور صرف "تم"

(۲)

شاید تم یہہ خیال کرو گے کہ اپنے متعلق اس قسم کی رائے رکھنا غرور ہے، لیکن نہیں، یہہ حقیقت اور صداقت ہے جس کے لئے دلیل کی حاجت نہیں؛ یہہ ہستی کی اُن میں صداقتوں میں سے ہے جو عمومیت کے ساتھ اظہر من الشمس ہونے کے سبب ثبوت کی محتاج نہیں ہوتیں۔

(۳)

تم جو کچھ چاہتے ہو، حاصل کر سکتے ہو۔ اس لئے کہ تمہاری استعداد اور قابلیت کے ارتقاء میں تمہاری خواہشیں جسم لیتی اور ترقی کرتی رہیں گی اور جیسی کچھ تمہاری خواہشیں ہوں گی انکا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگا کر تمہاری استعداد اُن کو بر لانے کی کوشش کریگی۔

(۴)

انسان کی ساری طاقت، خود اسی کے اندر ہوتی ہے، اس لئے اسکا فرض اولین یہہ ہے کہ وہ اپنے آپ پر پورا بھروسہ کرے۔ تم جس سوسائٹی میں رہتے ہو، اس پر اثر ڈالنے میں تم ہرگز ناکام نہیں رہ سکتے، تم اپنے ماحول کی عزت افزائی اور عظمت کی علمبرداری میں ضرور کامیاب ہو جاوگے

(۵)

خواہ تم اُن سینکڑوں یا ہزاروں آدمیوں میں سے ایک ہو جو ایک ہی کارخانہ میں ایک ہی کام کر رہے ہوں، یا تمہارے موجودہ کام معمولی اور ایک ہی قسم کے ہوں، یا تمہاری خودداری اور جوش کو حرکت دینے والے کوئی اسباب نہ ہوں، لیکن پھر بھی تم اپنے آپ پر پورا بھروسہ کر کے خود کو ظاہر کرنے کی کوشش کرو۔ تمہارا کام تمہارے حوصلہ کے مطابق اعلیٰ یا ادنیٰ ہوگا۔ وہ تمہارا صرف کام، فرض منصبی، یا منافع ہی نہ ہوگا بلکہ خود "تم" ہو گے اس لئے کہ صنعت صناع کی قلبی وارداتوں اور دماغی گہرائیوں کا آئینہ ہوتی ہے

(۶)

تمہیں جو کچھ بھی کام کرنے دیا جائے، تمہیں چاہئے کہ اس کو پوری توجہ اور دلچسپی کے ساتھ بلکہ پوری قابلیت کو کام میں لاکر انجام دو تم اس کو اس طرح انجام دینے کی کوشش کرو کہ تمہارے اوپر والے بھی اس کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس کا سارا انحصار صرف "تم" پر ہے۔

(۷)

بغیر اپنی مدد آپ کئے اپنی قسمت پر مایوس یا پست ہمت ہونا خود کی تحقیر کرنا ہے اعلےٰ ارادوں پر مستقل رہنا، ایک نہ ایک دن ضرور بدلہ دیگا۔

(۸)

اپنے موجودہ کام کو اس قدر خوبی سے انجام دو کہ تمہارا کوئی ہم عمر، ہم فہم، ہم لیاقت اس کے قبل اس سے بہتر نہ کر سکا ہو، اس طرح سے تم اپنے کو اعلیٰ سے اعلیٰ کاموں کے اہل بنا لو گے

ہمیشہ اس قسم کے اعلےٰ کام تمہارے سامنے پیش ہوتے رہینگے اور اگر تم ان کو اپنے اصلی جوش سے پورا کرو گے تو آئندہ کی ترقی تمہارے لئے اٹل ہے۔ دنیا کی کوئی قوت تمہیں مرعوب نہیں کر سکتی، اگر تم اس بات کا ارادہ کر لو کہ اپنی روح کے مالک اور اپنی قسمت پر قادر ہو جاؤ گے

(۹)

دنیا کے حقیقی بڑے بڑے آدمیوں نے اپنی زندگیوں کو معمولی حالت سے شروع کیا تھا اس سے زیادہ معمولی حالت سے، جس میں اس وقت تم ہو خواہ وہ کسی قسم کی کیوں نہ ہو، لیکن انہوں نے خود کو پہچان لیا تھا، انسانی قوت کو جان لیا تھا، اُس انسان کی قوت کو جو کہتا ہو کہ میں اس کو ضرور کرونگا موقع تمہارے پاس نہیں آئینگے تم ان کے منتظر نہ رہو، بلکہ اپنے جوش اور طاقت سے موقعوں کو پیدا کرنے کی کوشش کرو۔

(۱۰)

تم اس لئے نہیں پیدا ہوئے ہو کہ ہمیشہ اسی موجودہ حالت پر قائم رہو۔ اگر تم چلنے کے لئے تیار ہو تو آگے بڑھنے کے لیے سیکڑوں راستے کھلے ہوئے ہیں۔ اس آگے بڑھنے میں لطف بھی ملتا ہے۔ اگر تم چاہو تو کام بھی تمہارے لئے خوشی کا مخزن بن سکتا ہے۔ اس شخص کے پاس بارگراں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی جس کی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔

(۱۱)

دنیا ہمیشہ ایسے لوگوں کی محتاج اور منتظر رہتی ہے جو اپنی اہمیت سمجھتے ہیں اور ہر کام کو فرض منصبی کی حیثیت سے اس طرح پورا کرتے ہیں کہ عزت اور عظمت اُن کے گلے کا ہار بن جائے۔

(۱۲)

جو چیز حاصل کرنے کے لائق ہے وہ اس قابل بھی ضرور ہے کہ اس کے لئے محنت کی جائے کسی دوسرے کی ترقی پر ہرگز رنج یا حسد نہ کرو، اپنے وقت کو اپنی شخصیت کے بہترین بنانے میں صرف کرو جہاں تک ہو سکے، موجودہ فرائض کی کاربرآری میں مشغول ہو جاؤ اور نتیجہ کی پروا نہ کرو، وہ تو لازمی ہے، کیونکہ قانونِ قدرت یہی ہے۔

(۱۳)

تمہارے لئے سب سے زیادہ کارآمد تم ہی ہو اس کو بہترین طور پر کام میں لانے کی کوشش کرو اپنے تندرست جسم میں تیار دماغ رکھو۔ اور محنت سے کبھی نہ ڈرو۔ اگر دوسرے محنت سے فائدہ اٹھا رہے ہوں تو ان کو اس سے محروم نہ کرو۔

(۱۴)

دنیا میں سب سے زیادہ اہم آدمی "تم" ہی ہو۔ تم جو کچھ بننا چاہتے ہو بن سکتے ہو، جس قدر تم اپنے لئے کر سکتے ہو کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ ہر چیز کا انحصار "تم" اور صرف "تم" پر ہے۔

اس قصہ کے متعلق اس قدر کہنا کافی ہے کہ حیدرآباد کے مایہ ناز فرزند اور جامعہ عثمانیہ کے قابل قدر صدر مولوی محمد عبدالرحمن خانصاحب کی تحریک پر مجھے فسانہ نویسی کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ میں نے گذشتہ ماہ سرما کی تعطیلات میں ایک فسانہ لکھا جو "تازیانہ" کے عنوان سے "رسالہ نگار" میں شایع ہوا ہے، اس کے بعد ایک انگریزی افسانہ نظر سے گذرا

جس کو ماریہ ایج ورتھ نے غالباً کسی ترکی فسانہ سے ماخوذ کیا ہے۔ چونکہ اس قسم کے خیالات کی ہمیں شدید ضرورت ہے اس لئے مین نے اس امر کی کوشش کی کہ اس افسانہ کو اپنی زبان میں ظاہر کیا جائے۔

احسان فراموشی ہوگی اگر اس موقعہ پر اپنے ایک شفیق دوست کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جنھوں نے اس کام میں بیش قیمت مشورہ دیا مین خاص طور پر محبی مولوی ضیاء الدین صاحب انصاری ایم۔ اے کا ممنون منت ہوں جو اس وقت تک پروفیسر ریاضی کلیہ جامعہ عثمانیہ تھے اور اب انجیری کی تعلیم کے لئے انگلستان تشریف لے جا رہے ہیں۔

رفعت منزل۔ اقامت خانہ
کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن
شنبہ ۵۔ رمضان المبارک سنہ ۱۳۴۴ھ

سید محی الدین قادری زورؔ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دہلی کے سیماب پا شہنشاہ اور آخری مغل اعظم نے چند روز قبل گولکنڈہ فتح کر کے حیدرآباد اور حیدرآبادیوں پر ایک محشر خیز اثر ڈالا ہے۔ کئی ماہ کے محاصرے اور کئی سال کی پریشانیوں کے بعد اب چند روز کے لئے مغلوں کی ٹڈی دل افواج کو آرام کی نیند لینے کا موقع ملا ہے۔ گولکنڈہ اور حیدرآباد کے باشندوں کو بھی آئے دن کی کشمکشوں اور تباہیوں کے متعلق ایک قسم کا اطمینان ہو گیا ہے کیونکہ محاصرہ گولکنڈہ ان کے لئے معرکۂ قیامت سے کم نہ تھا۔ اب عظیم الشان قطب شاہی سلطنت حرف غلط کی طرح محو کر دی گئی ہے۔ مغلوں کے فتحمند پرچم "بالاحصار" پر لہرا رہے ہیں۔ دکن کا محبوب حکمران تاناشاہ اور اُن کی نازنین بیگمات گرفتار کر لی گئی ہیں اور انہیں ہمیشہ کے لئے اپنی راجدھانی، اپنے وطن اور اپنے عزیز ترین مسکن سے جدا ہونا پڑا ہے۔

رات کا وقت ہے۔ آسمان پر چاند کا کامل عمل دخل ہو چکا ہے۔ سر بفلک عمارتوں اور عالیشان محلوں کی روشنیاں جو کبھی کھلے بندوں عیش و عشرت کی چہلیاں کھایا کرتی تھیں اس وقت دروازوں اور دریچوں کی روزنوں سے سہم سہم کر باہر نکل رہی ہیں۔ بازاروں میں، گلیوں میں اور مکانوں پر شہر خموشاں کا سا حیرتناک سکوت چھایا ہوا ہے۔ سناٹے کا سا عالم ہے۔ آواز تک سنائی نہیں دیتی۔ کہیں کہیں موہوم سی شکلیں نظر آ جاتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے

شبستانِ عیش و عشرت کی ضیا پاشیاں ترنم انگیز قہقہوں کی طرح نکل نکل کر تقدس مآب خاموشیوں کے دامن میں چھپ رہی ہیں اور اس کے اثر سے نیلگوں آسمان کے رقصاں ستارے اپنی درخشاں رنگ رلیوں کو چھوڑ کر اونگھنے لگے ہیں اس بھیانک فضائے خاموشی اور حیرت خیز عالم جمود کے مہر سکوت کو دو راہروؤں کے قدموں کی چاپ توڑتی جا رہی ہے اور قدرت کے اس خود ساختہ سماں میں دخیل در معقولات کا نظارہ دکھلا رہی ہے، ان میں ایک شخص جو بہت بوڑھا معلوم ہوتا ہے آگے آگے چل رہا ہے اور دوسرا اگرچہ بظاہر اس کے برابر برابر چلنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن اس کی ہر ایک حرکت ظاہر کر رہی ہے کہ وہ اس بوڑھے ساتھی کا یا تو اطاعت گذار بیٹا ہے یا کوئی فرماں بردار ملازم۔

اس وقت تھوڑے فاصلہ پر جسینی علم کے چراغ جھلملاتے نظر آ رہے ہیں اور اسکے مقابل ایک عالیشان مگر تاریک محل کا بلند دروازہ اپنی غیر معمولی بلندی کی وجہ سے راہروؤں کی توجہ اپنی طرف منعطف کر لینے کا باعث بنتا ہے چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پیچھے پیچھے چلنے والا شخص اس بوڑھے سے یوں مخاطب ہوتا ہے :۔

"پیرومرشد! میں نے سنا کہ یہ وہی مکان ہے جس میں میر جملہ کا داماد سید سلطان رہا کرتا تھا، قبلۂ عالم کو معلوم ہوگا کہ سید سلطان کو عبداللہ قطب شاہ خود اپنی بیٹی دینے والے تھے، لیکن حضور! تقدیر میں تھا کہ وہ لڑکی سلطان ابوالحسن کو بیاہی جائے کیونکہ سید سلطان سے شادی ہو سکتی، وہ ابھی شب گشت کی تیاری میں مصروف تھا کہ ابوالحسن کا نکاح پڑھا گیا اور سلامی کی توپیں سر ہونے لگیں، سید سلطان کو بے حد غصہ آیا لیکن کرتا کیا مجبور تھا چار و ناچار

حضرت قبلۂ دوجہاں کے ظل عاطفت میں پناہ لی اگر تقدیر نہیں ہوتا تو ابوالحسن کی جگہ سید سلطان ہی عبداللہ قطب شاہ کے بعد تخت نشین ہوتا۔"

"روح اللہ خاں! کیا تم سمجھتے ہو کہ کوئی شخص بغیر سعی و کوشش اور بغیر تدبیر کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب حاصل کر سکتا ہے؟"

عالم پناہ! میرا خیال ہے کہ بغیر تقدیر کی یاوری کے انسان کی ہر ایک تدبیر بیکار ہے انسان کیا اور اس کی بساط کیا جو کچھ کر سکے۔"

"روح اللہ خاں! دیکھو ہر قسم کی ترقی کا انحصار ہمیشہ تدبیر اور محنت پر ہے بغیر محنت کئے ایک وقت کا کھانا بھی تو میسر نہیں آسکتا؟"

"لیکن پیر و مرشد ہم ہر روز لوگوں کے متعلق سنتے ہیں کہ فلاں خوش قسمت ہے اور فلاں بدقسمت، اگر خوش قسمتی اور بدقسمتی کوئی چیز نہ ہوتی تو یہ باتیں زبان زد خاص و عام کیوں ہو جاتیں؟ عالم پناہ! ع

تا نباشد چیزکے مردم نہ گویند چیزہا"

"یہ تمہارا صرف خیال ہی خیال ہے کیا تم اس کے متعلق کوئی دلیل پیش کر سکتے ہو؟"

"پیر و مرشد! بھلا میں قبلۂ دوجہاں سے بحث کر سکتا ہوں؟"

"نہیں یہ بات نہیں، اگر تم کوئی دلیل پیش کر سکتے ہو تو بہ خوشی پیش کرو، میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم اپنا دلی منشاء بغیر کسی پس و پیش کے ظاہر کر دو، دیکھو لوگ ایک دوسرے کو خوش قسمت یا بدقسمت صرف اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ واقعات کا غور سے مطالعہ نہیں کرتے

اور ان گہرائیوں پر روشنی نہیں ڈالتے جن میں لوگوں کی اپنی بیوقوفیاں یا عقلمندیاں مضمر ہوتی ہیں اور جن کے معلوم نہ کر سکنے کی بنا پر وہ کسی کو بدقسمت یا خوش قسمت سمجھنے لگتے ہیں"۔

"قبلۂ دو جہاں! میں دلائل تو کیا بیان کروں مثال کے طور پر اس قدر ضرور کہونگا کہ اسی دارالجہاد میں دو شخص ایسے بھی موجود ہیں جو اپنی خوش قسمتی یا بدقسمتی کے باعث مشہور ہیں، ایک کا نام بدبخت کمال ہے اور دوسرے کا خوش قسمت فیاض الدین دونوں حقیقی بھائی ہیں لیکن تقدیر نے ایک کو مفلس اور منحوس کر دیا اور دوسرے کو دولتمند اور صاحبِ عزت"۔

"ہاں ہاں! ٹھیک ہے اگر تم انہی دونوں کے مفصل حالات سنو گے اور ان کی کامیابی اور ناکامی کے اسباب پر غور کرو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ ان میں سے جو خوش قسمت مشہور ہے وہ ضرور عقلمند ہے اور جو بدقسمت سمجھا جاتا ہے وہ یقیناً بیوقوف، وہ لوگ کہاں رہتے ہیں؟ چلو میرے ساتھ چلو میں بھی انکے حالات سننے کا مشتاق ہوں"۔

"بدبخت کمال یہاں سے قریب ہی تو رہتا ہے"۔

دونوں راہرووں نے تیزی سے قدم بڑھائے اور ابھی مکان کے قریب پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ زور سے چیخنے کی آواز آئی۔

(۳)

دونوں نے آواز کی سمت کا رخ کیا، دیکھتے کیا ہیں کہ دروازہ بالکل کھلا ہوا ہے اور اس میں ایک آدمی اپنا شملہ پھاڑتا کھڑا ہے اور روتا جا رہا ہے۔

ان دونوں نے اس کے قریب پہونچ کر اس کی مصیبت کا سبب دریافت کیا۔ اُس نے ایک چینی برتن کے ٹکڑوں کی طرف اشارہ کیا جو دروازے کے سامنے فرش پر بکھرے پڑے تھے۔

قبلۂ عالم نے ایک ٹکڑا اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اگرچہ یہ خوش نما برتن تھا لیکن کیا ایک چینی کا برتن ٹوٹ جانے پر اس قدر رنج کرنا چاہئیے؟"

"آہ جناب!" برتن کے مالک نے ان کے سوداگرانہ لباس پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "آپ نہیں جانتے اس رنج و غم کا سبب کس قدر تکلیف دہ ہے، آپ کو نہیں معلوم کہ آپ بدبخت کمال سے باتیں کر رہے ہیں اگر آپ میری اُن تمام بدبختیوں کو سنیں جو میری پیدائش سے اب تک مجھے گھیری رہیں تو یقین ہے کہ آپ کو ضرور مجھ پر ترس آئیگا اور آپ سمجھینگے کہ میرا رونا کس قدر حق بجانب ہے۔"

متعجب ہو کر قبلۂ عالم نے اس کے حالات سننے کا شوق ظاہر کیا اور کمال نے جب دیکھا کہ ایک مہذب اور وجیہہ شخص اس کے ساتھ ہمدردی کر رہا ہے تو وہ اپنا قصہ بیان کرنے پر مجبور ہو گیا۔

"جناب عالی! میں بدقت آپ جیسے حضرات کو مجھ جیسے بدبخت کے گھر تشریف فرما ہونے کی دعوت دے سکتا ہوں۔ لیکن اگر آپ ایک رات یہاں قیام کرنے کی تکلیف گوارہ فرمائیں تو تفصیل سے میرا قصہ سُن سکتے ہیں۔"

قبلہ عالم اور روح اللہ خاں نے یہہ کہتے ہوئے وہاں رات بسر کرنے سے معافی چاہی کہ ان کو بخشی کے گھر جانا ہے جہاں اُن کے ساتھی تاجر اُن کا انتظار کر رہے ہونگے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ :-

"ہم ایک گھنٹہ تمہارے مکان پر ٹہیر سکینگے اور اگر تمہارا رنج تازہ ہونے کا اندیشہ نہو تو اپنی زندگی کے واقعات مختصراً بیان کرو۔"

ایسے بدبخت بہت کم ہونگے جو موقع اور ہمدرد پاکر اپنی بدقسمتی کے واقعات بیان کرنے پر مجبور نہ ہو جاتے ہوں چنانچہ ان دونوں مہمانوں کے بیٹھتے ہی کمال نے اپنا قصہ اس طرح شروع کیا :-

"میرے والد اس بدقسمت شہر کے ایک سوداگر تھے، میرے پیدا ہونے سے ایک رات قبل انہوں نے خواب میں دیکھا کہ میں اس دنیا میں کتے کا سر اور اژدہے کی دم کے ساتھ پیدا ہوا ہوں، اس بدشکل کو چھپانے کے لئے انہوں نے پیدا ہوتے ہی مجھے ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جو اتفاقاً میری بدقسمتی سے عبداللہ قطب شاہ کا شملہ تھا بادشاہ نے اس ہتک سے خفا ہو کر ان کا سر اڑا دینے کا حکم دیا۔

میرے والد سر کھونے سے پہلے ہی نیند سے جاگ اٹھے، لیکن خواب کی دہشت نے انہیں بدحواس کر رکھا تھا۔ اس کو انہوں نے خدا کی طرف سے تنبیہ خیال کیا اور عہد کر بیٹھے کہ مجھے نہ دیکھینگے چنانچہ انہوں نے یہہ بھی دیکھنے کی پرواہ نہ کی کہ آیا میں کتے کا سر اور اژدہے کی دُم کے ساتھ پیدا ہوا ہوں یا کیا، فوراً بیجاپور کی طرف روانہ ہو گئے اور

سات کسال تک گھر کا رخ نہ کیا، اس عرصہ میں تعلیم و تربیت سے بالکل محروم رہا ایک دن میں نے اپنی ماں سے دریافت کیا کہ میرا نام بدبخت کمال کیوں رکھا گیا ہے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ میرے والد کے وحشت ناک خواب کی بناء پر مجھے یہہ لقب دیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہہ بھی کہا کہ اگر میں اپنی زندگی میں خوش قسمت ثابت ہوں تو میرا یہہ نام فراموش کر دیا جائے گا' میری انّا نے جو بہت بوڑھی تھی اور اس وقت موجود تھی اس انداز سے جو کبھی مجھے سے بھولا نہ جائے گا سر ہلا کر میری والدہ سے کہا کہ :-

"یہہ بدقسمت تھا" ہے' اور ہمیشہ رہے گا' وہ لوگ جو بدقسمت پیدا ہوتے ہیں نہ وہ خود اپنی بہتری کے لئے کچھ کر سکتے ہیں اور نہ کوئی دوسرا سوائے رسول خدا کے انکے لئے کچھ کر سکتا ہے قسمت سے جھگڑنا بدقسمت آدمی کی غلطی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ وہ راضی برضا رہے"

ان باتوں نے مجھے بے حد متاثر کیا اس وقت تو خیر میں بچہ ہی تھا۔ لیکن اس کے بعد سے جس قدر واقعات پیش آتے گئے میری انّا کی پیشگوئی پر میرا اعتقاد قایم ہوتا گیا میری عمر آٹھہ برس کی تھی کہ میرے والد سفر سے واپس آئے ان کے آنے کے ایک سال بعد میرا بھائی فیاض الدین پیدا ہوا' اس کا نام خوش قسمت فیاض الدین اس لئے رکھا گیا کہ اس کی پیدایش سے ایک روز قبل سلطان عبداللہ قطب شاہ نے اپنی ایک لڑکی اسی اورنگ زیب بادشاہ کے فرزند سلطان محمدؐ کے نکاح میں دی تھی اور اس تقریب میں میرے والد کی دوکان سے ہزارہا روپیہ کے جواہرات خریدے گئے تھے اور ان کو چوالیس ہزار روپیہ کا منافع ہوا تھا۔ میں آپ کو خوش قسمتی کے وہ تمام چھوٹے چھوٹے واقعات سننے کی

رحمت کہیں دینا چاہتا تھا جن کی وجہہ سے میرے بھائی فیاض الدین نے بچپن ہی میں امتیاز حاصل کر لیا تھا۔ بڑا ہونے کے بعد بھی اس نے جس کام میں قدم رکھا اس کی کامیابی اسی قدر تعجب انگیز ہوتی تھی جس قدر میری بدبختی میری کوششوں میں۔ اس چالیس ہزار روپیہ منافع کے بعد سے ہم شان و شوکت سے رہنے لگے اور لطف یہہ کہ میرے والد کا سارا تمول بھائی فیاض الدین ہی کی نیک قدمی پر محمول کیا جانے لگا!

۴۳

فیاض الدین بتیس برس کا تھا کہ میرے والد سخت بیمار ہو گئے اور جب انہوں نے دیکھا کہ آثار برے ہیں تو میرے بھائی کو بستر کے پاس بلا بھیجا اور نصیحت کی کہ "دیکھو ہماری شان و شوکت کی زندگی نے ہماری دولت کا خاتمہ کر دیا ہے بیجاپور کی دوکان کی آمدنی اور ترقی کی امید پر میں نے یہاں کی دوکان کو بھی زیر بار کر لیا اور اپنی چادر سے باہر پاؤں پھیلائے اس وقت میرے یہاں سوائے دو قیمتی خوبصورت برتنوں کے اور کچھ نہیں، یہہ دونوں تم خود لے لو اور آیندہ احتیاط سے رہو کمال کو اپنے معاملات میں کبھی شریک نہ کرنا وہ تو پیدائشی بدقسمت ہے"

غرض میرے والد نے اپنے بعد ہم لوگوں کے لئے سوائے چینی کے دو خوبصورت برتنوں کے کوئی اور قیمتی چیز نہ چھوڑی، ان برتنوں میں عجیب بات یہہ تھی کہ ان پر ایک انوکھی قسم کا نقش تھا جو رکھنے والے کی قسمت کا طلسم سمجھا جاتا تھا، میرے والد نے فیاض الدین سے اسی لئے کہا تھا کہ وہ ان میں سے مجھے ایک بھی نہ دے اس لئے کہ

میں اس قدر بدقسمت ہوں کہ وہ کسی نہ کسی طرح میرے ہاتھ سے ضایع ہو جائیگا والد کے انتقال کے بعد بھائی فیاض الدین نے جو واقعی ایک فیاض شخص ہے وہ دونوں برتن میرے سامنے رکھدیئے اور مجھ سے کہا کہ "ان میں کوئی ایک اپنے لئے منتخب کرو" اور یہہ بھی کہدیا کہ "میں خوش قسمتی بدقسمتی جیسی باتوں کا قائل نہیں" میں اس کے اس خیال کو کسی طرح مان تو نہیں سکتا تھا لیکن اس مہربانی کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ مجھے کس طرح اس بدقسمتی سے نکالنا چاہتا ہے مجھے تو یقین تھا کہ میں لاکہہ کوشش کیوں نہ کروں پھر بھی کمال ابدبخت کمال ہی رہونگا۔ اس کے برخلاف میرا بھائی مفلسی اور بے کسی کی حالت میں بھی پست ہمت نہ ہوتا تھا اور کہتا تھا کہ "کسی نہ کسی طرح آمدنی کا ذریعہ پیدا کر ہی لونگا"

ان چینی کے برتنوں میں خرمزی رنگ کا سفوف تھا جس سے میرے بھائی کے دل میں رنگوں کے بنانے کا خیال پیدا ہوا چنانچہ ذرا سی کوشش کے بعد وہ ایک نفیس رنگ تیار کرنے میں کامیاب بھی ہوگیا۔

والد کی زندگی میں ہماری والدہ ایک سوداگر سے جس کی سلطان عبداللہ قطب شاہ کے محل میں آمد و رفت تھی قیمتی کپڑے خریدا کرتی تھیں، اس زمانہ میں بھائی فیاض الدین نے اس سوداگر کے ساتھ شاید کوئی سلوک کیا تھا کہ اب حرم سرا میں اس نے اس رنگ کی بڑی تعریف کی اور دراصل یہہ رنگ تھا بھی خوشنما کہ اس کے دیکھنے کے بعد دوسرے رنگوں سے جی ہٹ جاتا تھا۔ چنانچہ محل کے لئے کثرت سے رنگ خریدا جانے لگا اور سارے شہر میں اس رنگ کی شہرت ہوگئی اب فیاض الدین کی دوکان پر خریداروں کا

شور ... ہونے لگا

فیاض الدین کی خوش اخلاقی اور شگفتہ مزاجی نے اس رنگ کی قدر اور بھی بڑھادی برخلاف اس کے میں دیکھتا تھا کہ میرے منحوس چہرے پر جو بھی نظر ڈالتا مجھ سے متنفر ہو جاتا اور اس طرح مجھے یقین ہوتا گیا کہ میں واقعی بدقسمت ہوں۔

ایک وقت کا واقعہ ہے کہ حیدرآباد کی ایک مشہور طوائف کامنی بائی میرے بھائی کی دوکان پر دو تین ملازمین کے ساتھ کچھ خریدنے آئی، اس وقت میرا بھائی مجھے دوکان پر چھوڑ کر کہیں باہر گیا ہوا تھا چند چیزیں دیکھنے کے بعد اُس کی نظر میرے چینی کے برتن پر پڑی جو وہیں کمرے میں رکھا ہوا تھا، یہ برتن اُس کو بہت پسند آیا اور اُس نے کہا کہ "جو قیمت چاہو لے لو لیکن یہ برتن میرے حوالہ کرو" میں نے اس خیال سے کہ طلسم کے دیدینے کے بعد نہ معلوم مجھ پر کیا بلا نازل ہو اُس برتن کو فروخت کرنے سے قطعی انکار کر دیا، میرے انکار پر کامنی بائی کی طبیعت میں اور بھی ضد پیدا ہوئی تریاہٹ تو مشہور ہی ہے اس نے مجھے اور بھی مجبور کرنا شروع کیا لیکن خوشامد اور قیمت کوئی بھی مجھ احدی کے ارادے کو بدل نہ سکتی تھی۔

۴

تھوڑی دیر کے بعد فیاض الدین آگیا میں نے سارا واقعہ بیان کیا، میرا یہ خیال تھا کہ وہ میری اس عقلمندی پر خوش ہو کر میری تعریف کریگا، برخلاف اس کے اس نے مجھے میری اس حماقت پر برا بھلا کہا کہ میں صرف طلسم کے وہم پر اچھی خاصی آمدنی کھو بیٹھا مگر میں نہ تو اس کی رائے سے موافقت کرسکتا تھا اور نہ اس کی نصیحتوں پر کاربند ہو سکتا

دوسرے دن کامنی بائی پھر آئی اور میرے بھائی کا برتن پانچ ۵ سو اشرفیوں کے بدلے مول لے لیا۔ اس کثیر رقم کو میرے بھائی نے اچھا اچھا نیا سامان خریدنے میں صرف کیا۔ یہہ دیکھکر میں بہت پچھتایا۔ لیکن "اب پچھتائے کیا ہووت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت"۔ میں نے خیال کیا کہ یہہ صرف بدبختی ہے جو وقت پر ٹھیک فیصلہ کرنے نہیں دیتی۔ چنانچہ اس موقع کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد میں ہمیشہ پچھتاتا اور اسکو اپنی بدقسمتی پر محمول کرتا رہا۔

جس طوایف نے بھائی فیاض الدین کا برتن خریدا تھا وہ دیوان کی چہیتی تھی اور حیدرآباد کے طوائفوں میں سب سے زیادہ باثر تھی وہ مجھ سے اس قدر متنفر ہوگئی تھی کہ میری موجودگی میں ہماری دوکان پر آنا بھی پسند نہ کرتی تھی، اور یہہ عجیب معاملہ آن پڑا تھا کہ میرا بھائی بھی مجھ سے جدا ہونا نہیں چاہتا تھا، لیکن میں نے یہہ پسند نہ کیا کہ ایسے مہربان بھائی کی ترقی کو اپنی نحوست کی وجہہ سے روکے رہوں، اس لئے بغیر کچھ کہے سنے میں گھر سے چلدیا اور یہہ بھی خیال نہ کیا کہ اب میرا کیا حال ہوگا؟ گھر سے علٰحدہ ہونے کے بعد جب بھوک نے مجبور کیا کہ کسی نہ کسی طرح پیٹ کی دوزخ کو بھروں تو میں ایک بھٹیارے کی دوکان کے سامنے پتھر پر بیٹھ گیا، اس وقت اشتہا کے علاوہ تازہ تازہ روٹیوں کی بُو نے مجھے بھیک مانگنے پر بھی مجبور کردیا۔

بھٹیارے نے اس شرط پر مجھے پیٹ بھر کر روٹی دینے کا وعدہ کیا کہ میں اُس دن اُسکے کپڑے پہن کر شہر میں راتب کی روٹیاں تقسیم کرتے جاؤں، میں اس پر فوراً راضی ہوگیا، لیکن بہت جلد مجھے پچھتانا پڑا، اگر میری قسمت اس وقت میری رہبری کرتی تو میں

اس بھٹیارے کی بدمعاشی اور مکاری کو فوراً تاڑ جاتا اس لئے کہ چند روز سے اسکے گاہک روٹیوں کی مقدار اور حالت سے بدظن ہوتے جا رہے تھے اس قسم کی بدظنیوں سے اکثر بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور بعض دفعہ تو نانبائیوں اور بھٹیاروں کی جان پر بھی آبنتی ہے، ان تمام واقعات کو میں اچھی طرح سے جانتا تھا لیکن افسوس کہ عین موقعہ پر میرے حافظہ نے میرا ساتھ نہ دیا۔

غرض نانبائی بن کر قریب کی گلی سے بدقت گذرنے پایا تھا کہ لوگوں نے میرے اطراف جمع ہو کر گالیاں دینی شروع کیں یہ مجمع چار محل تک میرے ساتھ ساتھ رہا۔ آخرکار کوتوال نے مجھے گرفتار کرکے مقید کر دینے کا حکم صادر کیا۔

(۵)

میں نے منت سماجت کی کہ میں دراصل وہ نانبائی نہیں ہوں جس کے خیال سے مجھے ماخوذ کیا جا رہا ہے، نہ تو مجھے اس سے کوئی تعلق ہے اور نہ اہل شہر کو میں نے خراب روٹیاں کھلائی ہیں، اور میں نے یہہ بھی کہدیا کہ آج جو میں نے بھٹیارے کے کپڑے پہن رکھے ہیں اس کی وجہہ صرف میری بدقسمتی ہے، مجمع میں سے اس وقت بعضوں نے کہا کہ مجھے اس غلطی اور حماقت کی سزا بھگتنی چاہئیے لیکن اکثروں نے میری حالت پر رحم کھا کر میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ ان لوگوں کے خیالات جب کوتوال کو معلوم ہوئے تو اس نے مجھے چھوڑ دینے کا حکم صادر کیا

اب میں حیدرآباد کو خیرباد کہہ کر نکلا اور برتن بھائی کے پاس ہی چھوڑ دیا شہر سے

تھوڑی دور مجھے سپاہیوں کا ایک گروہ ملا جو نانا شاہ کی بڑی فوج میں شامل ہونے کے لئے جا رہا تھا جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ بڑی فوج شہنشاہ دہلی کے مقابلہ کے لئے تیار ہو رہی ہے تو میں بھی اس گروہ کے ساتھ ہو گیا۔ کیونکہ بدقسمتی نے مجھے اس قدر مجبور کر دیا تھا کہ میں نے زندگی پر موت کو ترجیح دی۔ اور دل میں ٹھان لیا کہ اگر کبھی موقع بھی ملے تو میں اپنی جان بچانے کی کوشش ہرگز نہ کروں گا۔

سیرم تک راستہ میں سارا دن چٹا پیتے ہوئے سامان کی گاڑیوں پر بے فکر پاؤں پھیلائے بیٹھا رہا، مجھے یقین ہے کہ اگر راستہ میں کوئی حادثہ پیش آتا مثلاً ڈاکو ٹوٹ پڑتے یا مغل فوج سے مقابلہ ہو جاتا تو میں کبھی اپنی حفاظت نہ کر سکتا آپ نے دیکھا کہ میں کس قدر راضی برضا ہوں اور ہر وقت اپنی قسمت پر قانع!!

لیکن افسوس کہ ہماری جماعت سیرم میں خیر و عافیت کے ساتھ خلیل اللہ خاں اور رستم راؤ کی فوج میں جا ملی اور کوئی ایسا حادثہ پیش نہ آیا کہ میں اپنی زندگی سے درگذرتا کسی معمولی واقعہ کی وجہ سے جو مجھے یاد بھی نہیں میں ذرا پیچھے رہ گیا اور میرے ساتھی لشکر میں پہونچ گئے، جب میں لشکر میں داخل ہوا تو رات زیادہ ہو چکی تھی چاندنی چٹکی ہوئی تھی، لشکر کا سارا پڑاؤ مجھے صاف طور پر دکھائی دے رہا تھا، ایک کھلے اور وسیع میدان میں چھوٹے چھوٹے متعدد خیمے استادہ تھے جگہ جگہ درخت بھی نظر آرہے تھے چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا، اور کسی قسم کی کوئی آہٹ سنائی نہیں دیتی تھی۔

اس وقت میرا چٹا بجھ گیا تھا، اسکو سلگانے کیلئے میں ایک خیمہ کے قریب آگ دیکھ کر

تیزی سے بڑھنے لگا، ابھی آگ کے قریب نہیں پہونچا تھا کہ میری نظر میں ایک چمکدار چیز پر پڑی یہہ ہیرے کی ایک انگوٹھی تھی، میں نے اُس کو فوراً اٹھالیا، اور یہہ خیال کرتے ہوے اُس کو اپنی انگلی میں پہن لیا کہ کل علی الصبح اس کے متعلق عام طور پر اعلان کردونگا تاکہ وہ اس کے حقیقی مالک کو مل جائے۔ لیکن بدقسمتی سے میں نے اس کو اپنی چھوٹی انگلی میں پہن لیا، جس کے لئے وہ بہت بڑی تھی۔

جب میں چپّا سلگانے کے لئے آگ کی طرف تیزی سے بڑھا انگوٹھی انگلی میں سے گر پڑی اب میں نے اس کو ڈھونڈنا شروع کیا۔ وہاں قریب ہی ایک بیل بندھا ہوا تھا، اور چارا کھا رہا تھا۔ میں نے انگوٹھی کی تلاش میں گھاس کو ہٹایا ہی تھا کہ اُس شریر جانور نے مجھے اِس زور سے لات ماری کہ تلملا گیا اور چیخے بغیر نہ رہ سکا۔

۶

میری آہ وزاری نے قریب کے خیمہ میں سونے والوں کو جگا دیا، ان لوگوں کو بہت غصہ آیا کہ میری چیخوں نے ان کی نیندیں خراب کردیں۔ انہوں نے اس کی سزا یہہ دی کہ مجھے اِسی انگوٹھی کا چور قرار دیا جو ابھی مجھے ملی تھی۔ انگوٹھی تو مجھ سے جبراً اسی وقت چھین لی گئی اور میں دوسرے دن ملزم کی حیثیت سے چالان عدالت کیا گیا۔

قاضی نے حکم دیا کہ مجھے کوڑے لگائے جائیں تاکہ میں اِن تمام چیزوں کی چوری کا بھی اقرار کرلوں جو کئی دن سے لشکر میں غائب ہیں حضرات! یہہ سب کچھ صرف میری اس تیزی کی جو میں نے چپّا سلگانے کی خاطر کی تھی اور اُس بیوقوفی کی کہ بڑی انگوٹھی کو

چھوٹی انگلی میں پہن لیا تھا، سزا تھی جس کا بھگتنا بدبخت کمال کے لئے یقینی طور پر ضرور تھا اور سچ تو یہہ ہے کہ اس کے سوا کسی اور سے اس قسم کی حرکات سرزد نہیں ہو سکتیں!

جب میرے زخم اچھے ہوئے اور طبیعت کچھ سنبھلی تو میں ایک حلوائی کی دوکان پر گیا جہاں شربت اور قسم قسم کے لذیذ کھانے فروخت ہوتے تھے اور لشکر کے اکثر لوگ اس جگہ اپنی دل بہلائی کے لئے جمع ہوتے تھے، میں چپ چاپ بیٹھا تھا کہ اپنے قریب ہی ایک شخص کو یہہ شکایت کرتے ہوئے سنا کہ وہ اب تک اپنی انگوٹھی نہیں حاصل کر سکا حالانکہ اس نے تین دن تک عام طور پر منادی کرادی تھی کہ جو کوئی ڈھونڈ کر لائے گا اس کو دو سو اشرفیاں انعام میں دی جائینگی کیونکہ اس انگوٹھی کا ہیرا بہت قیمتی ہے۔

میں فوراً سمجھ گیا کہ یہہ وہی انگوٹھی ہوگی جو بد قسمتی سے میرے ہاتھ لگ گئی تھی میں نے اس شخص سے اپنا واقعہ بیان کیا اور وعدہ کیا کہ اس کو بتا سکتا ہوں جس نے مجھ سے انگوٹھی جبراً چھین لی تھی، غرض اس شخص کو انگوٹھی مل گئی اور یہہ معلوم کر کے کہ میں نے ایمانداری سے کام لیا اس نے مجھے دو سو اشرفیاں بطور تحفے کے دیں اور ایک طرح سے گویا اس سخت سزا کی تلافی ہو گئی جو اسی کی انگوٹھی کی خاطر میں بھگت چکا تھا۔

اب آپ خیال کر رہے ہونگے کہ اشرفیوں کی تھیلی میرے لئے بڑی فائدہ مند ثابت ہوئی ہوگی حالانکہ وہ اور زیادہ بدبختیوں کا سبب بن گئی۔

ایک رات جب میں نے دیکھا کہ میرے ڈیرے میں کے تمام سپاہی گہری نیند سو رہے ہیں تو میں اپنے نئے خزانہ کو گننے اور اس سے لطف اندوز ہونے میں مشغول ہو گیا

دوسرے دن میرے ساتھیوں نے مجھے شربت خوری کی دعوت دی اور نہ معلوم میرے پیالہ کے شربت میں کیا ملا دیا کہ مجھ پر بہت جلد نشہ کی حالت طاری ہوگئی اور میں ایک گہری بے خودی میں غرق ہوگیا۔ جب ہوشیار ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک درخت کے نیچے لشکر سے کچھ فاصلہ پر پڑا ہوا ہوں۔

ے

ہوش میں آتے ہی پہلی چیز جس کا مجھے خیال آیا اشرفیوں کی تھیلی تھی۔ چنانچہ تھیلی مجھے کمر بند میں محفوظ ملی لیکن اس کو کھولنے کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ ٹھیکریوں اور سیپیوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور ایک بھی اشرفی باقی نہیں۔ میں سمجھ گیا کہ بلاشبہ انہی سپاہیوں نے مجھے لوٹ لیا ہے جن کے ساتھ میں شربت پی رہا تھا اور مجھے یقین ہوگیا کہ ان میں سے چند اُس وقت ضرور ہوشیار ہونگے جب کہ میں اپنی دولت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ کیونکہ میں نے اپنی دولتمندی کا راز کسی سے بھی نہیں بیان کیا تھا نیز جب سے میں ان کے ساتھ ہوا ہوں اسی وقت سے انہیں معلوم تھا کہ میں ایک مفلس اور فلاکت زدہ آدمی ہوں۔

اس وقت میں نے حکام مقتدر کے پاس بے فائدہ دادخواہی کی کیونکہ سپاہیوں نے اپنے آپ کو بالکل بے گناہ ثابت کیا میں ان کے خلاف میں کوئی ثبوت نہیں پیش کرسکا اس واقعہ کے بعد سے بعض لوگ میرے ساتھ مذاق اور بعض نفرت کرنے لگے۔ اب میں نے کثرت رنج وغم کے باعث خود کو اس نام سے مخاطب کرکے رونا چلانا شروع کیا

جو حیدرآباد چھوڑ کر سیرم آنے تک میری زبان پر نہیں آیا تھا، بدبخت کمال کے نام کو میں نے بے تکلف گالیاں دینی شروع کیں۔

جب یہہ نام اور یہہ قصہ سارے لشکر میں ہوا کی طرح پھیل گیا تو اس کے بعد سے میں اکثر اسی نام سے مخاطب کیا جانے لگا اور بعضوں نے اس مذاق میں تھوڑا سا اضافہ کر دیا کہ مجھے "اشرفیوں والا کمال" کے نام سے پکارنے لگے۔

لیکن اب تک میں نے جو کچھ مصیبتیں اٹھائی تھیں وہ آنے والی بدبختیوں کے مقابلہ میں کچھ نہ تھیں!!

اس وقت قطب شاہی فوج میں چونکہ بعض سپاہی کار آموز اور تجربہ کار نہیں تھے اس لئے ان کو تیر اندازی اور بندوق چلانے کی مشق کا حکم دیا گیا تھا لیکن بعض ناسمجھ سپاہیوں نے اس حکم کی نہایت بیہودگی سے تعمیل کی، وہ جس چیز کو چاہتے آماجگاہ ٹھہرالیتے اور نشانہ بازی ہوتی، اس طریقۂ مشق میں بعض دفعہ جانوں کا بھی نقصان ہوجاتا تھا" مگر کوئی پوچھنے والا نہ تھا کیونکہ فوج کے تمام اعلےٰ افسر اورنگ زیب کی فوج سے سازباز کرنے اور غداری کے ذریعہ سے سرخرو رہنے کی فکر میں تھے میں نے کئی ایسے خیمے دیکھے جن میں اگرچہ لوگ رہتے تھے لیکن ان جاہلوں کا تختۂ مشق بن کر چھلنی چھلنی ہوگئے تھے اس بدعنوانی کی ایک وجہہ یہہ بھی تھی کہ سپاہی اکثر تاڑی پی کر بدمست رہا کرتے تھے۔ ان میں برے بھلے کی تمیز باقی نہیں رہتی تھی۔ آخرکار ان بدعنوانیوں کی یہاں تک نوبت پہونچی تھی کہ اگر ہوش کے عالم میں بھی کسی کی جان کا نقصان ہوجاتا تو وہ نالایق

صرف یہہ کہہ کر انجان بن جاتے کہ

"اس کی قسمت میں اسی طرح اسی وقت مرنا لکھا تھا جس کی آئی وہ جاتا ہے ہماری ابھی نہیں آئی ہم جیتے ہیں"

یہہ بیہودگی پہلے پہلے تو مجھے تعجب خیز معلوم ہوئی لیکن جب دیکھتے دیکھتے عادت ہوگئی تو مجھے برا نہیں معلوم ہونے لگا بلکہ اس سے میرا یہہ عقیدہ راسخ ہوگیا کہ درحقیقت بعض لوگ اچھی اور بعض بُری قسمت کے ساتھ دنیا میں آتے ہیں، میں نے یقین کر لیا کہ یہہ امر انسانی طاقت کے باہر ہے کہ وہ اپنی قسمت کو بدل سکے' ان خیالات کے ساتھ ہی مجھے ایک اور خیال ہوا یعنے یہہ کہ ممکن ہے میں کل ہی مرجاؤں لہذا جب تک جیتا ہوں مجھے خوب گلچھرے اڑانے چاہئیں۔

۸

میں ہر روز زیادہ سے زیادہ مزے اڑانے کے طریقے اختیار کرنے لگا۔ آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ میں اپنے افلاس کے باوجود کیونکر عیش وعشرت میں بسر کرسکتا تھا؟ لیکن مجھے بہت جلد ہی ایک ایسا طریقہ ہاتھ لگ گیا جس کے ذریعہ میں اس کو بھی خرچ کرسکتا تھا جو دراصل میرا نہیں تھا۔

چند کوٹھی ساہوکار ہماری فوج کے ساتھ تھے جو فوجیوں کو دل کھول کر سودی قرض دیا کرتے تھے اور بعد میں جب یہہ فوجی لوٹ کھسوٹ کا مال و دولت لے آتے تو یہہ ساہوکار دو چند سہ چند سود کی رقم لگا کر اپنا روپیہ حاصل کرتے تھے۔ جو کوٹھی مجھے قرض دینے لگا

جانتا تھا کہ میرا بھائی فیاض الدین ایک نیک نفس اور مالدار تاجر ہے۔ اس لئے اگر میں قرض نہ بھی ادا کرسکوں تو وہ مجھے اب جس قدر بھی قرضہ دیگا میرے بھائی سے آسانی سے وصول کرلے گا۔ غرض جو کچھ میں اس ساہو سے قرض لیتا تھا' افیون خوری اور تمباکو نوشی میں جی بھر کر خرچ کردیتا تھا۔

اِن تفریحوں نے مجھے اس قدر سرخوش بنا دیا تھا کہ میں اپنی فطری بدقسمتی کو بالکل بھول گیا۔ چنانچہ آخر زمانہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی میرے دماغ میں مستقبل کا خیال نہیں آتا تھا۔

ایک روز جب زیادہ افیون کھا لینے کی وجہہ سے میں آپے میں نہیں رہا۔ اور سارے لشکر میں کبھی گاتے ہوئے' کبھی ناچتے ہوئے اور کبھی یہہ پکارتے ہوئے کہ اب میں بدبخت کمال نہیں رہا' دیوانوں کی طرح اودھم مچارہا تھا میرا ایک خیرخواہ نہایت خلوص سے میری طرف آیا اور بازو پکڑ کر یہہ کہتے ہوئے مجھے کھینچنے لگا کہا کیا تم نہیں دیکھتے کہ فلاں سپاہی تمہاری پگڑی کو نشانہ بنانا چاہتا ہے دیکھو ہٹ جاؤ ورنہ گولی لگیگی"۔

افسوس کہ میری بدقسمتی نے یہاں بھی میرا ساتھ نہ چھوڑا اگرچہ میں اس وقت یہی خیال کررہا تھا کہ اب میں بدبخت کمال نہیں رہا! میں نے اپنے خیرخواہ کو جی بھر کر گالیاں دیں اور یہہ کہتے ہوئے سامنے سے نکل جانے کیلئے کہا کہ "اب میں بدبخت کمال نہیں رہا ہوں" وہ شخص خطرے کا اندازہ کرکے خود تو بازو ہٹ گیا اور میں ابھی وہیں ناچنے کودنے میں مشغول تھا کہ ایک گولی لگی اور میں زخمی ہوکر گر پڑا۔

۹

ایک اناڑی جراح نے میرے جسم میں سے اس بے دردی کے ساتھ گولی نکالی کہ میری تکلیف دگنی ہوگئی اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کو ذرا جلدی تھی کیونکہ لشکر کو تھوڑی ہی دیر پہلے کوچ کا حکم مل گیا تھا اور ساری فوج میں ہل چل مچی ہوئی تھی اس وقت میرا زخم بہت تکلیف دہ تھا اس لئے مجھے اندیشہ ہو رہا تھا کہ کہیں لاعلاج مریضوں کے ساتھ مجھے بھی نہ چھوڑ دیا جائے۔ اگر اس وقت میں گھنٹہ دو گھنٹہ کے لئے آرام لیتا تو ممکن تھا کہ ان تمام پریشانیوں سے بچ جاتا جن کا میں اس کے بعد شکار ہونے والا تھا۔ لیکن جس طرح میں نے بارہا آپ سے کہا ہے میری بدقسمتی نے مجھے کبھی اس قابل نہ ہونے دیا کہ میں اپنی بھلائی کے متعلق کچھ سوچ بچار کر سکوں چنانچہ ہمیشہ وقت گذر جانے کے بعد مجھے پچھتانا پڑا۔

اس روز جب زخم کی تکلیف کے باعث مجھے شدت سے بخار آگیا تھا اور بستر سے اٹھنے کی اجازت نہیں تھی میں اپنی بے پروا یا راضی برضا رہنے والی طبیعت کے برخلاف کم از کم سو بار اپنے خیمے سے باہر نکلا ہوں گا تا کہ دیکھوں اب تک کتنے خیمے اکھڑ گئے ہیں اور کتنے ابھی باقی ہیں۔

کوچ کے احکام کی بڑی عجلت سے تعمیل کی گئی اور چند ہی گھنٹوں میں سارا لشکر خالی ہوگیا اگر میں اپنے ضمیر کے مشورے پر عمل کرتا تو ضرور اس قابل رہتا کہ فوج کا ساتھ دے سکوں اور زخمیوں کی گاڑی میں پڑ کر فوج کے ساتھ چلا جاؤں۔

لیکن سرِشام جراح مجھے دیکھنے آیا تو میری حالت اسقدر خستہ تھی کہ حرکت تک کرنا بار تھا

جراح نے افسر سے اجازت لے کر چند سپاہیوں کو میرے پاس چھوڑ دیا اور حکم دیا کہ دوسرے دن وہ مجھے لشکر میں لے آئیں، ان سپاہیوں نے دوسرے دن مجھے اسی بدخصال بیل پر لاد کرلے جانا چاہا، میں اس کی پیٹ پر سفید لکیر کا نشان دیکھکر پہچان گیا کہ یہہ وہی بیل ہے جس نے مجھے اس سے پہلے لشکر میں پریشان کر دیا تھا، میں اس پر سوار ہونے کو رضامند نہ تھا، اور منت سماجت کی کہ وہ خود اٹھا کرلے چلیں، چنانچہ وہ راضی ہو گئے اور بیچ راہ میں یہہ کہکر کہ "یہاں سے باولی قریب ہے اور ہم چھاگل میں پانی لانے جارہے ہیں" سب کے سب چلدئے۔

۱۰

میں منتظر تھا اور امید کر رہا تھا کہ میرے سوکھے ہونٹوں کو ابھی باولی کا تازہ اور ٹھنڈا پانی تر کرے گا لیکن ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ نہ تو سپاہی واپس آئے اور نہ پانی ہی نصیب ہوا، میں وہاں اپنی آخری گھڑی کا انتظار کرتے ہوئے کئی گھنٹے نزع کی حالت میں پڑا رہا، اور کسی قسم کی سعی و تردد کرنے کی کوشش نہ کی کیونکہ اب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میرا وقت آگیا ہے اور تقدیر میں یہی لکھا ہے کہ اسی حالت میں مرجاؤں اور بغیر کفن دفن کے کتوں کی طرح پڑا رہوں اور سچ تو یہہ ہے کہ بدبخت کمال کو ایسی ہی موت مرنی چاہئیے۔

اس موقع پر میرے منصوبے غلط ثابت ہوئے کیونکہ میں جہاں دم توڑنے والا تھا

اسکے قریب ہی سے مغل فوج کی ایک جماعت کا گذر ہوا اور میری آہ و زاری سن کر کئی
سپاہی میری طرف آئے اور مجھے اپنے ساتھ لے لیا۔ انہوں نے میرے زخم دھوئے مرہم پٹی
کی اور نہایت مہربانی کا برتاؤ کیا۔

مغل سپاہیوں کی دیکھ بھال اور توجہ کے باعث میں بالکل تندرست ہو گیا
لیکن ابھی پوری طرح طاقت بھی نہیں آنے پائی تھی کہ میں نئی آفتوں میں مبتلا ہو گیا
یہہ فوج کسی تالاب یا باولی کے قریب ایک روز کے لئے ٹھہرنا چاہتی تھی اور میں چونکہ
اسی بدبخت ملک کا باشندہ تھا اس لئے مجھ سے دریافت کیا گیا کہ کیا اس اطراف و اکناف
میں کسی جگہ صاف ستھرا پانی ملے گا؟ اگرچہ میں ایسے مقام سے واقف نہ تھا لیکن خواہ مخواہ انکی
ہمدردی کی خاطر ان سے کہہ دیا کہ میں ابھی پتہ لگا کر آتا ہوں اور جنگل کی طرف چلدیا۔

۱۱

تھوڑی دیر تک مختلف جھاڑیوں میں چکر لگانے کے بعد میں بالکل تھک گیا اور
کوئی باولی بھی نہ ملی۔ جب واپس ہوا تو ذرا دیر ہو گئی تھی دیکھا کہ نہ فوج ہے اور نہ کچھ
اس کے نشانات۔ سمجھا کہ راستہ سے بھٹک گیا ہوں چیخا چلایا اور مارا مارا پھرتا رہا
لیکن سوائے اس کے کہ اور زیادہ تھک جاتا کچھ حاصل نہ ہوا اب میں پریشان تھا کہ کیا
کروں، کس طرف جاؤں اور کس طرف نہ جاؤں، جنگل کی اداسی کاٹ کھانے آ رہی تھی،
میں بہت دیر سے بھوکا بھی تھا، اب مجھ پر ناامیدی کی سی کیفیت طاری ہونے لگی کپڑے
پھاڑنا شروع کیا، سر سے پگڑی اتار پھینکی اور زور زور سے چیخنے چلانے لگا لیکن نہ تو

کسی کی آواز آئی اور نہ کسی نے آواز دی اس اثنا میں یکایک خیال آیا کہ میں نے اپنی پگڑی کی ایک تہہ میں تھوڑی سی افیون رکھی تھی لیکن جب پگڑی زمین پر سے اٹھائی تو دیکھا کہ اس میں سے افیون گر پڑی ہے جس جگہ پگڑی پھینکی تھی وہاں گھنٹہ بھر ڈھونڈتا رہا لیکن بیکار۔

اب میں زمین پر چت لیٹ گیا اور بغیر کسی قسم کی سوچ بچار اور کوشش کے خود کو اپنی بدقسمتی کے سپرد کر دیا اور منتظر تھا کہ ملک الموت تشریف لائیں۔ اس وقت بھوک پیاس اور گرمی نے مجھے جس قدر ستایا اس کا اظہار ناممکن ہے آخر کار مجھ پر غنودگی سی طاری ہو گئی اور اس اثناء میں طرح طرح کے ڈراؤنے خواب دکھائی دینے لگے۔

مجھے خبر نہیں ہے میں اس حالت میں کب تک پڑا رہا لیکن مجھے یاد ہے کہ میں ایک مہیب آواز کی گونج سے اٹھ بیٹھا جو ایک بڑے گروہ کی سمت سے اٹھی۔ یہ لوگ حیدرآباد سے تاناشاہ کے کچھ احکام پہونچانے کے لئے لشکر کی طرف جا رہے تھے اور یہہ آواز ان کی خوشی کا نعرہ تھا جو صاف پانی کا ایک چشمہ دیکھکر انکی زبانوں سے بے تحاشہ نکلا تھا وہ چشمہ مجھ سے بالکل ہی قریب تھا لیکن بدبخت کمال کی قسمت دیکھئے کہ وہ اس سے ناواقف رہا حالانکہ وہ تلاش میں جنگل میں گھنٹوں مارا مارا پھرا تھا۔ اس وقت اگرچہ میں بے حد کمزور ہو گیا تھا لیکن حتی الامکان زور سے آواز دی تا کہ ان لوگوں کو اپنی موجودگی سے مطلع کروں، میں ان کی طرف آہستہ آہستہ بڑھتا بھی گیا لیکن ناتوانی اس قدر تھی کہ دو چار قدم چلنا بھی دشوار ہو گیا تھا مجھے یقین تھا کہ میری بدقسمتی ہرگز

مجھے ان سے نہ ملنے دیگی۔ آخر کار جب میں نے انہیں گھوڑوں پر سوار ہو کر کوچ کرتے ہوئے دیکھا تو پگڑی کھول کر ہوا میں ہلانی شروع کی اُن لوگوں نے اس اشارے کو دیکھ لیا اور میری طرف آئے۔ مجھ میں اس قدر طاقت کہاں تھی کہ ان سے صاف صاف بات کر سکتا جب ایک غلام نے کچھ پانی پلایا اور میری جان میں جان آئی تو اُن پر ظاہر کیا کہ میں کون ہوں اور کس طرح اس حال کو پہونچا ہوں۔

جب میں باتیں کر رہا تھا تو ایک شخص نے میری کمر کی اُس تھیلی کو دیکھ لیا جو انگوٹھی کے مالک نے اشرفیوں سے بھر کر مجھے دی تھی اور جس کو میں نے بہ حفاظت چھپا رکھا تھا۔ کیونکہ اس پر میرے محسن کا نام لکھا ہوا تھا جس وقت مجھے یہ تھیلی دی تھی کہا تھا۔ ممکن ہے کہ ہم پھر کبھی ایک دوسرے سے ملیں تو اس تھیلی کے ذریعہ وہ مجھے پہچان لیگا وہ شخص جو اس وقت میری تھیلی کو غور سے دیکھ رہا تھا وہ میرے محسن کا بھائی تھا اور جب میں نے اس سے بیان کیا کہ تھیلی مجھے کس طرح ملی ہے تو وہ مجھ پر مہربان ہو گیا اور ساتھ لے چلنے کا قصد ظاہر کیا۔

یہہ شخص ایک سوداگر تھا جو ان سپاہیوں کے ساتھ سفر کر رہا تھا کہ لٹیروں اور مغل سپاہیوں سے محفوظ رہے۔ غرض میں وفاداری اور خیر خواہی کا وعدہ کر کے اسکے ساتھ ہو لیا تھا

۱۲

جو سوداگر اس وقت میرا مربی تھا میرے حال پر بہت مہربان تھا اور جب اُس نے میری تمام بدبخت مہموں کا ذکر تفصیل سے سنا تو مجھ سے وعدہ لیا کہ میں آئندہ سے کوئی کام

بغیر اس کے مشورہ کے نہ کروں گا اس نے کہا :-

"کمال! چونکہ تم اس قدر بد قسمت ہو کہ اپنے لئے جو بھی سوچتے ہو وہ برا ہی ہوتا ہے اس لئے آیندہ سے تمہیں ایک تم سے زیادہ عقلمند اور خوش قسمت دوست کے مشوروں پر چلنا چاہئیے"۔

میں اس سوداگر کی بیعت سے بہت خوش رہا کیونکہ وہ نہایت نیک طینت اور اس قدر دولتمند تھا کہ ہر وقت اپنے ماتحتوں پر فیاضی سے عنایتوں کی بارشیں کرتا تھا میرے تفویض یہہ کام کیا گیا تھا کہ ہر منزل پر اسباب سے لدے ہوئے بیلوں کو گن لیا کروں اور ان کی حفاظت کا خیال رکھوں، میں یہہ کام ہر منزل سے کوچ کرتے وقت نہایت احتیاط سے کرتا رہا لیکن جب گلبرگہ کے قریب آخری منزل کی گئی اور دوسرے دن گلبرگہ میں داخل ہونے کے لئے نکلے تو میں نے خیال کیا کہ بیلوں کو گذشتہ رات گن چکا ہوں اب پھر گننا کیا ضروری ہے؟ لیکن جب سوداگر کی کوٹھی میں پہونچنے کے بعد میں نے گنتی کی تو تین بیل کم نظر آئے، فوراً مالک کو اطلاع کرنے کے لئے دوڑا، اس نے کسی خفگی کا اظہار نہیں کیا۔ حالانکہ میں اس کا مستحق تھا۔ تاہم شہر میں منادی کردی کہ جو کوئی اِن بیلوں کو ڈھونڈ لائے گا انعام پائے گا، چنانچہ ایک غلام ان کو قریب ہی کے جنگل سے پکڑ لایا اور انعام بھی حاصل کیا۔

کوٹھی میں پہونچنے کے بعد سوداگر نے مجھے روئی کے گودام کا نگہبان مقرر کیا اور روئی کے کوٹھے ہی میں سونے کا حکم دیا، ایک رات میں حسب عادت چٹا پیتا پیتا سو گیا

ہاں! آپ کو یہ معلوم ہونا چاہئیے کہ میں بغیر چنے اور افیون کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر میں اس رات معمول سے زیادہ افیون کھا گیا تھا جس کی وجہ سے میرے حواس بالکل معطل تھے آدھی رات کے قریب ایک عجیب گھبراہٹ کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔ دیکھا کہ روئی میں آگ لگ گئی ہے میں نے دوڑ کر گھر کے ملازمین کو اٹھایا اور تھوڑی ہی دیر میں ہر طرف شور و غل مچ گیا۔ میرے مالک نے بڑی مستعدی سے کام کیا جس کی وجہ سے اس کا سارا جسم جھلس گیا۔ اس دوڑ دھوپ کے باوجود بھی تمام روئی جل گئی۔

اس نقصان کے بعد میرے مربی نے گو مجھ پر کسی قسم کی خفگی کا اظہار نہیں کیا، لیکن پچیس اشرفیوں کی ایک تھیلی میرے ہاتھ میں دے کر مجھے الوداع کہتے ہوئے کہا؟

"کمال! ان اشرفیوں کو ہوشیاری سے استعمال کرو اگر تم ایسا کر سکو تو شاید تمہاری تقدیر بدل جائے"

مجھے اس کی بہت کم امید تھی لیکن میں نے اپنی اس نئی پونجی کو حتی الامکان ہوشیاری سے صرف کرنے کی ٹھانی۔

۱۳

جب گلبرگہ کی بڑی سڑک پر سے یہ سوچتے ہوئے گذر رہا تھا کہ اس دولت کو کس طرح زیادہ سے زیادہ نفع کے کام میں لگاؤں کہ ایک شخص نے مجھے میرا نام لیکر پکارا اور کہا۔

"آخر تم مل گئے" میں نے غور سے دیکھ کر پہچان لیا اور یہ خیال کر کے بڑا رنجیدہ ہوا کہ

یہہ وہی کوٹھی ہے جس سے میں نے بیڑم میں قرض لیا تھا۔ اس کو کلبر گہ میں جو چیز کھینچ لائی وہ سوائے میری قسمت کے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ وہ اب مجھے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا اور نہ کوئی حیلہ حوالہ سننے کو تیار تھا۔ اس نے کہا کہ مجھے تمہارے تمام حالات معلوم ہیں کہ تم کس طرح پہلے تو قطب شاہی لشکر سے نکل بھاگے اور پھر مغلوں کی فوج کو دھوکہ دیا اور نیز یہہ بھی کہدیا کہ میرے بھائی فیاض الدین سے بہت کم امید ہے کہ وہ قرضہ ادا کریگا مجھے اس کوٹھی کی اس حقارت آمیز گفتگو سے بہت غصہ آگیا میں نے کہا کہ

"میں فقیر نہیں ہوں۔ میں تمہارے قرضہ کو ابھی ادا کر دیتا ہوں" لیکن مجھے اندیشہ تھا کہ وہ ضرور سود کی رقم بڑھا چڑھا کر بیان کریگا' اس نے مسکراتے ہوئے کہا "دیکھو میں نے کیسے بُرے وقت میں تمہاری مدد کی اور تمہیں تمہاری عزیز ترین چیز یعنے افیون کے لئے اخراجات دیتا رہا اس لئے اب تمہیں چاہئیے کہ میری عنایتوں کا خوشی خوشی بدلہ کرو اور کسی قسم کے شکوے شکایت کا موقع نہ دو"

میں آپ کو وہ تمام گفتگو سنا کر منغص نہیں کرنا چاہتا جو مجھ میں اور اس بدمعاش کوٹھی میں ہوئی اس نے مجھ سے پورا قرضہ وصول کر لیا اور جاتے جاتے ایک نئی آفت میں مجھے مبتلا کر گیا' اس کے پاس پرانے کپڑوں کا ایک صندوق تھا جس کے متعلق اس نے مجھ سے کہا کہ۔

"میں یہہ کپڑے گلبر گہ میں اس لئے لایا ہوں کہ یہاں کے غریب غربا اور امرائے طبقے کے ملازمین میں اسکی بہت مانگ ہی اور یہہ سب یہاں ہاتھوں ہاتھ خرید لئے جائینگے۔

چونکہ مجھے بہت جلد حیدر آباد پہونچنا ہے اس لئے میں خود یہاں ٹھہر کر اُن کو فروخت نہیں کر سکتا چاہتا ہوں کہ کسی کو اصلی قیمت پر بیچدوں تم ہی کیوں نہیں سودا کر لیتے؟"

مجھے کومٹی کی دوستی اور خیر خواہی پر ہر گز یقین نہ آتا لیکن جب میں اس کے ساتھ سرائے میں گیا اور اس نے اپنے نوکر کے ساتھ مجھے ایک کمرے میں روانہ کر کے صندوق میں کے کپڑے دکھلائے تو یہ دیکھ کر کہ کپڑے واقعی اچھے اور قیمتی ہیں میں اس کی باتوں کو مان گیا کچھ حیص و بیص کے بعد معاملہ طے ہو گیا اور کومٹی نے مزدوروں کے سر پر دے کر صندوق میرے ساتھ کر دیا۔

۱۴

میں دوسرے دن صبح صبح صندوق لے کر بازار پہونچا، لوگوں کو جب میرے بیوپار کی نوعیت معلوم ہوئی تو گاہکوں کی بھیڑ ہو گئی اور شام ہونے سے پہلے میرا صندوق بالکل خالی ہو گیا، اس بیوپار میں مجھے بیحد منافع ہوا کومٹی کی حماقت پر میں دیر تک ہنسا کہ اس احمق نے ایک دن کے لئے اپنا اتنا بڑا نقصان کر لیا۔

کچھ دنوں کے بعد میں ایک تاجر سے سڑک پر کھڑا باتیں کر رہا تھا کہ اس نے اثنائے گفتگو میں بڑے رنج سے کہا کہ میرے پاس سے خریدے ہوئے کپڑے پہننے کے بعد سے اس کے دو ملازم سخت بیمار ہیں۔ اس کی اس بات پر مجھے ہنسی آگئی میں نے کہا "بھلا کپڑوں کی وجہہ سے بھی کوئی بیمار ہوتا ہے؟"

اس گفتگو کے بعد ابھی میں بازار میں تھوڑی ہی دور چلنے پایا تھا کہ دس بارہ

سوداگروں نے سخت سست کہتے ہوئے شکایتیں شروع کیں اور مجبور کیا کہ میں انہیں بتاؤں کہ میں نے کپڑے کہاں سے حاصل کئے نیز یہہ کہ کیا میں نے بھی ان میں سے کچھ کپڑے استعمال کیئے ہیں۔

میں نے ان کپڑوں میں سے ایک اچھا شملہ اپنے لئے اٹھا رکھا تھا چنانچہ اس روز اتفاق سے میرے سر پر وہی شملہ تھا اس شملہ کو دکھا کر میں نے اُن سے کہا کہ "دیکھئے میں بھی تو انہی میں کا ایک کپڑا استعمال کر رہا ہوں اور اب تک مجھے کچھ بھی نہیں ہوا" غرض ایک طولانی بحث مباحثہ کے بعد سوداگر خاموش ہو گئے لیکن میرے خوف کی انتہا نہ رہی جب دوسرے ہی دن میں نے ایک شخص کو یہہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ تمام لوگ جو مجھ سے خریدے ہوئے کپڑے استعمال کر رہے تھے وبا میں مبتلا ہو رہے ہیں یہہ سنتے ہی مجھے فوراً خیال آگیا کہ یہہ کپڑے انہی بیماروں کے ہونگے جو قطب شاہی فوج میں وبا میں مبتلا ہو کر مرے تھے کیونکہ کوہٹی اسی قطب شاہی فوج کے ساتھ تھا جس میں وبا کثرت سے پھیل گئی تھی اور دوسرے یہہ کہ کپڑوں سے صاف طور پر ظاہر ہوتا تھا کہ یہہ قطب شاہی فوج کے ہیں۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ کیوں اس بدمعاش کوہٹی نے مجھے اس قدر کم قیمت پر کپڑے فروخت کر دئے اور خود گلبرگہ سے فرار ہو گیا۔ میں نے یہہ واقعہ تمام سوداگروں سے بیان کیا اور انہیں بھی اس کا یقین ہو گیا۔ افسوس کہ اگر میں پہلے ہی ذرا غور کرتا تو پوری حقیقت سے واقف ہو جاتا مجھے معلوم ہوا کہ میں نے تمام گلبرگہ میں وبا پھیلا دی ہے۔ میرے اوسان خطا ہو گئے

اُسی دن میں بھی وبا میں مبتلا ہو گیا، اور مرض کی شدت سے بیہوشی طاری ہو گئی۔

۱۵

جب ہوش وحواس درست ہوئے تو اپنے گھر میں نہ تھا۔ ایک بوسیدہ کمرے میں لیٹا ہوا تھا اور مجھ سے کچھ دور ایک بڑھیا بیٹھی تھی مجھے ہوشیار دیکھتے ہی اُس نے کہا کہ "تم سوداگروں کی شکایت پر گلبرگہ سے نکالدیے گئے ہو، تمہارا صندوق اور سامان جلا دیا گیا اور اگر میں نہ ہوتی تو تم اس وقت زندہ نہ ہوتے، لیکن چونکہ میں نے ایک منت مانی تھی کہ کسی کے آڑے وقت میں کام آؤنگی اس لئے تمہیں اپنے گھر میں لے آئی۔ یہہ دیکھو تمہاری روپیوں کی تھیلی بھی موجود ہے جس کو میں نے بلوہ میں بڑی حفاظت سے چھپا لیا تھا، اس میں سے حاکموں کو بھی دے دلا کر تمہیں زندہ چھڑا لائی ہوں، میں نے اس قسم کی منت کیوں مانی تھی تو وہ قصہ بھی تمہیں سناتی ہوں"......

میں سمجھ گیا کہ یہہ ہمدرد بڑھیا باتونی ہے، میں نے سر کو حرکت دیکر اپنی احسانمندی کا اظہار کیا اور پھر یہ بھی نہ پرواہ کی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے، تاہم جو کچھ سنا وہ آپ سے بیان کرتا مگر میرا ہی قصہ کیا کم ہے جو دوسروں کے حالات سنا کر آپکا وقت ضائع کروں، اس زمانے میں گرمی زیادہ ہونے لگی تھی۔ چند ہی دنوں میں شہر کی بیماری کم ہونی شروع ہوئی میں اب بالکل تندرست ہو گیا تھا بیماری کے اخراجات کے بعد میرے پاس چند ہی روپیہ باقی تھے، میں نے اس میں سے آدھی رقم اپنے مہربان تیماردار کی خدمت میں پیش کی اور اس بڑھیا کو شہر کی حالت دریافت کرنے کیلئے روانہ کیا بڑھیا نے واپس آکر کہا کہ

"لوگ کہتے ہیں بیماری میں شدت تو باقی نہیں رہی لیکن میں نے کئی مُردے گھروں سے نکلتے ہوئے دیکھے، بازاروں میں سب لوگ تم کو گالیاں دے رہے ہیں کہ تمہیں نے شہر میں وبا پھیلائی۔"

میں نے اپنا بستر اور کپڑے جلا دیئے اور بھیس بدل کر شہر میں داخل ہوا مجھے یقین تھا کہ اگر شہر کے باشندے مجھے پہچان لیں تو اب کی دفعہ وہ مجھے ہرگز زندہ نہ چھوڑینگے، میں مسافر خانہ میں ٹھیرا اور ہر نماز میں بہ انکسار تمام سر رگڑ رگڑ کر دنیا کے بیماروں کے لئے شافی مطلق سے دعائیں کرتا رہا، مجھے اب گلبرگہ میں رہنا خطرناک معلوم ہو رہا تھا اور یہہ خیال بھی رہ رہ کے ستا رہا تھا کہ حیدرآباد سے نکلنے کے بعد سے اب تک میں جن بدبختیوں میں مبتلا رہا وہ سب صرف اس امر کا نتیجہ تھیں کہ میں اس نقش طلسم سے بے پرواہ رہا جو میرے چینی کے برتن پر لکھا ہوا تھا، میں نے خود بیماری کی حالت میں کئی دفعہ خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ مجھ سے دریافت کر رہے ہیں کہ

"کمال وہ برتن کہاں ہے جو تجھے دیا گیا تھا؟"

۱۶

میں خیر و عافیت سے حیدرآباد پہونچ گیا اور جب یہہ خیال آیا کہ راستہ میں مجھے کسی طرح کا کوئی حادثہ پیش نہ آیا میرے تعجب کی انتہا نہ تھی۔ حیدرآباد پہونچتے ہی میں نے سیدھا اپنے بھائی کے گھر کی راہ لی تاکہ اپنے برتن کے متعلق دریافت کروں جب میں نے اس کو وہاں نہ پایا تو خیال ہوا کہ شاید وہ مر چکا ہے لیکن ایک فقیر نے مجھے تعجب سے دیکھ کر کہا کہ

بھلا حیدر آباد میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو خوش قسمت فیاض الدین سے واقف نہ ہو، میرے ساتھ چلو میں ان کا محل بتاتا ہوں۔"

جس محل میں وہ فقیر مجھے لے گیا اس قدر عالیشان تھا کہ اس میں داخل ہونے کیلئے میں پس وپیش کرنے لگا ایسا نہ ہو کہ کسی اور تازہ بلا میں گرفتار ہو جاؤں میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور بھائی فیاض الدین کی آواز سنائی دی، ابھی میری نظر اس پر پڑنے بھی نہ پائی تھی کہ اس نے مجھے دیکھ لیا اور معانقہ کے لئے پیش قدمی کی فیاض الدین اب بھی وہی مہربان بھائی تھا، میں اس کی دولت وثروت کو جی ہی جی میں دیکھ کر خوش ہوا اور کہا کہ

"بھائی فیاض الدین کیا تم اب بھی شبہہ کرتے ہو کہ بعض لوگ خوش قسمت اور بعض بدقسمت پیدا کئے جاتے ہیں؟ میں نے تم سے کتنی مرتبہ کہا۔"

اس نے جواب دیا "بھائی اندر آؤ" پہلے سفر کی تکان تو اتر جائے پھر اطمنان سے اس مسئلہ پر بحث کرینگے" لیکن میں نے کہا کہ

نہیں میرے ہمدرد بھائی! تم مجھ پر حد سے زیادہ مہربان ہو۔ بدبخت کمال کو تمہارے مکان میں داخل نہیں ہونا چاہئیے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی بدبختیوں کا اثر تم اور تمہارے گھر والوں پر بھی ڈالدے میں صرف اپنے برتن کے متعلق دریافت کرنے آیا ہوں"

اس نے کہا "وہ محفوظ ہے تم ابھی دیکھ لوگے لیکن میں اسے تمہیں اس وقت تک نہ دونگا جب تک کہ تم میرے گھر میں نہ آ جاؤ گے میں ایسا وہمی نہیں ہوں برا نہ ماننا میں صاف صاف کہنے کا عادی ہوں۔"

۱۷

مجھے مجبوراً بھائی کی بات ماننی پڑی، اس کے مکان میں داخل ہونے کے بعد میں ہر چیز کو دیکھ کر حیران رہ جاتا تھا، میرا بھائی اس قدر مال و دولت پر بھی مغرور نہ ہوا تھا۔ اس کے برخلاف وہ مجھے اپنی بدقسمیوں کا خیال چھوڑ دینے پر مجبور کر رہا تھا،

اس نے میرے تمام واقعات بڑی ہمدردی سے سنے، اور اپنا قصہ بھی جو میرے قصہ سے کچھ کم تعجب خیز نہ تھا بڑے شوق سے سنایا وہ کہتا تھا کہ اس کی سعی و دانائی نے اس کو معمولی حالت سے ہی مالدار اور خوش قسمت بنا دیا میں نے ان خیالات کو اسی کی حد تک محدود رکھا اور یہ کہتے ہوئے زیادہ بحث سے انکار کر دیا کہ "بھائی تمہیں اپنے خیالات پر قائم رہنا چاہیے اور مجھے اپنے اعتقاد پر، تم خوش قسمت فیاض الدین ہو۔ میں بدبخت کمال، اور اسی طرح ہم تم مرتے دم تک رہینگے"

میں بھائی کے یہاں چار دن بھی نہ رہنے پایا تھا کہ ایک زبردست حادثہ پیش آیا جس نے میرے اعتقاد کو اور بھی راسخ کر دیا۔

کاہنی بائی جس نے میرے بھائی کو اس کا چینی کا برتن خرید کر مالدار بنا دیا تھا اگرچہ مرور زمانہ کی باعث اس قدر بااثر نہیں رہی تھی۔ نیز گولکنڈہ کی تباہی کے بعد سے تو اس کی شان و شوکت مٹی میں مل چکی تھی تاہم اس کی نازک مزاجی اور نفاست پسندی اب بھی باقی تھی، اورنگ زیب بادشاہ نے بھی اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے اور صرف اس قدر حکم دیا ہے کہ آئندہ سے وہ رقص و سرود کی محفلوں کی شرکت ترک کر دے

اس نے اپنے محل کے لئے میرے بھائی کے ذریعہ سے ملک فرنگ سے ایک بڑا آئینہ منگوایا تھا جو بڑی دقتوں کے بعد تین دن پیشتر میرے بھائی کے مکان تک پہونچا تھا' اس وقت فیاض الدین نے کامنی بائی کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ آئینہ آگیا ہے لیکن چونکہ رات ہوگئی تھی اس لئے کامنی بائی نے کہلا بھیجا کہ آج رات اس کو وہیں رہنے دو کل صبح منگا لیا جائیگا بھائی نے آئینہ کو صاف کر کے اسی کمرے کے محراب میں رکھا جس میں میں سویا کرتا تھا' اس کے قریب چینی کے برتنوں کے بہت سے نئے آئے ہوئے صندوق بھی رکھدے گئے تھے تاکہ آئینہ اُن کے درمیان محفوظ رہے۔

آج رات میرے بھائی نے اپنے ملازموں سے خاص طور پر ہوشیار رہنے کے لئے کہا کیونکہ اس زمانے میں ہمارے محلہ میں چوریاں ہو رہی تھیں نیز اُس روز فیاض الدین کے پاس آئینہ وغیرہ کی قیمت کے ہزاروں روپیہ آئے ہوئے تھے یہہ سنکر میں نے بھی حفاظت سے سونے کا ارادہ کرلیا' اپنے بازو تکیہ کے نیچے ایک تلوار رکھ لی اور دروازہ آدھا کھلا رکھا تاکہ اگر برآمدے میں یا سیڑھیوں پر ذراسی بھی آہٹ ہو تو میں اُس کو سن سکوں۔

۱۸

آدھی رات کے قریب برآمدے میں کسی کے آنے کی آہٹ سے میری آنکھ یکایک کھل گئی' میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا' تلوار اٹھائی دروازے کے قریب پہونچا ہی تھا کہ آئینے میں میرے عکس کی وجہہ سے میں نے اپنی دائیں جانب ایک آدمی تلوار ہاتھ میں لئے کھڑا ہوا دیکھا اور تیزی سے "کون ہے" کہتا ہوا اسکی طرف بڑھا' مجھے جواب تو نہیں ملا لیکن یہہ دیکھکر کہ

وہ اب مجھ پر تلوار اٹھا رہا ہے، میں نے اپنی تلوار کا اس زور سے وار کیا کہ گویا وہ شخص اب بالکل نہیں بچ سکتا، مجھے ایک کرخت آواز سنائی دی اور اس آئینہ کے ٹکڑے جس کو میں نے ابھی توڑا تھا میرے سارے جسم خصوصاً پاؤں پر بڑے زور سے آپڑے اور اسی وقت ایک کالی سی چیز میرے کاندھے کے قریب سے گذری میں نے اس کا پیچھا کیا اور ابھی سامان کے نئے صندوق پر سے کود کر برآمدے کے سرے پر پہونچنے ہی پایا تھا کہ نشیب کی طرف دھڑام سے گر پڑا اور پانی میں غوطے کھانے لگا۔

۱۹

اس اچانک آواز کے ساتھ ہی میرا بھائی شمع لئے ہوئے اپنے کمرے سے باہر آیا جب اس نے آئینے کو ٹوٹا ہوا اور مجھے حوض میں غوطے کھاتا ہوا دیکھا تو اسکی زبان سے بے اختیار نکلا۔

"واقعی بھائی! تم بڑے بدبخت ہو!!"

لیکن فوراً ہی اُس کا غصہ تھم گیا اور اس نے بڑی ہمدردی کے ساتھ حوض کے قریب آکر اپنا ہاتھ بڑھایا اور مجھے باہر نکالتے ہوئے کہا۔

"بھائی معاف کرو، مجھے کچھ غصہ آگیا تھا، میں جانتا ہوں کہ تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہونچانا چاہتے تھے خیر، برا نہ ماننا آئینہ کیسے ٹوٹا، کیا بات ہے، اور تم حوض میں کس طرح گر پڑے؟"

ابھی میں فیاض الدین سے واقعات بیان ہی کر رہا تھا کہ اس قسم کی آواز جس نے مجھے نیند میں ڈرا دیا تھا پھر سنائی دی، پلٹ کے دیکھتے ہی صرف وہ کبوتر نظر آیا جسکو میں کل ہی اپنے بھتیجے کے لئے بازار سے خرید کر لایا تھا، میں اس کبوتر کو گھر ہلو بنانے کیلئے سدا رہا تھا

مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ اتنے بڑے نقصان کا باعث ہوگا۔ میرے بھائی نے اگرچہ اپنی پریشانی کو مجھ پر ظاہر نہ ہونے دیا لیکن کامنی کی ناراضی اور غصہ کے خیال نے اسے نہایت ہی خوف زدہ کر دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ اب میرا اس گھر میں رہنا سخت تباہی کا باعث ہے۔ نیز یہ کہ اس وقت وہ مجھے اپنے گھر میں رہنے کے لئے مجبور بھی نہ کرے گا اسلئے رخصت ہونے لگا۔

جب میرے فیاض بھائی نے دیکھا کہ میں نے روانگی کا مستقل ارادہ کر لیا ہے تو کہا کہ "ایک شخص جس کو میں نے اپنی دوسری دوکان کی نگہداشت کے لئے رکھا تھا چند روز ہوئے چلا گیا ہے کیا اب تم اس کی جگہ کام کرو گے؟ بھائی! میں اتنا مالدار ضرور ہوں کہ اگر تم تجارتی ناواقفیت کی بنا پر میرا نقصان بھی کر دو گے تو مجھے کچھ فکر نہ ہوگی اس کے علاوہ میں تمہارے ساتھ اور ایک شخص کو دیتا ہوں جو موقع بموقع تمہاری مدد کیا کرے گا۔"

میں اس مہربانی اور خصوصاً ایسے وقت کی مہربانی سے بہت متاثر ہوا غرض میرے بھائی نے میرے ساتھ اپنے ایک ملازم کو اس دوکان پر بھیج دیا جس میں اس وقت آپ مجھے دیکھ رہے ہیں اس ملازم نے میرے بھائی کے کہنے پر میرا چینی کا برتن بڑی حفاظت سے مجھے لا دیا اور فیاض الدین کا یہ پیغام بھی پہونچایا کہ "اس میں اور اس کے ساتھ کے برتن میں جو خرمزی رنگ کا سفوف تھا وہی میرے تمول کا باعث ہوا اس لئے میں انصافاً تم کو بھی اپنا شریک سمجھتا ہوں۔"

---۳۰---

میں اس وقت ہر طرح مزے میں تھا تاہم سوچ رہا تھا کہ آئینہ کا ٹوٹ جانا ضرور

اب میرے بھائی کو تباہ کر دیگا' کامنی بائی بڑی غصیلی اور نازک طبیعت ہے یہہ نقصان
اس کو ضرور بھڑکا دیگا اور معلوم نہیں اب میرے بھائی پر کیا تباہی لاتی ہے' میں اسی
پریشانی میں تھا کہ آج شام کو میرے بھائی نے کہلا بھیجا کہ کامنی بائی بے حد غصہ میں ہے لیکن
یہہ اب تمہارے ہاتھ میں ہے کہ نہ صرف اس کے غصہ کو فرو کرو بلکہ اسے خوش بھی کرو"

میں نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ میرے ہاتھ میں!! اس سے بڑھکر خوشی کی بات اور
کیا ہو سکتی ہے بھائی سے کہو کہ اس دنیا میں میرے پاس شاید ہی ایسی کوئی چیز ہو
جس کو قربان کر کے میں اپنی احسانمندی کا اظہار کر سکتا ہوں اور یہہ کہ میری بیوقوفی نے
اس کو جس پریشانی میں مبتلا کیا ہے اس سے اس کو نجات دینا میرا عین فرض ہے"

جس غلام کو میرے بھائی نے روانہ کیا تھا اس نے کہا کہ "جو چیز آپ سے طلب
کی جا رہی ہے اس کا نام لینے میں اس لئے پس و پیش کر رہا ہوں کہ آپ کے بھائی کو خوف ہے
کہ مبادا آپ اس کی خواہش کو رد کر دیں" میں نے اسے مجبور کیا کہ وہ آزادی سے
میرے بھائی کی خواہش بیان کرے اس نے کہا "کامنی بائی کی ناراضی کو سوائے آپ کے
پاس کے چینی کے برتن کے کوئی چیز دور نہیں کر سکتی"

میرے پاس انکار کی گنجائش ہی نہ تھی' بھائی کی مہربانیوں کا خیال میرے وہمی
اعتقاد پر غالب آ گیا چنانچہ میں نے کہلا بھیجا کہ "ابھی برتن لاتا ہوں"

میں نے برتن کو الماری میں سے نکالا' اور چونکہ وہ گرد آلود ہو گیا تھا اس لئے
اس کو دھونا شروع کیا جب میں نے اس کے اندرونی حصہ کو جس میں کچھ میل سا لگا ہوا تھا

صاف کرنے کے لئے گرم پانی ڈالا تو ایک آواز سنائی دی اور برتن بڑی زور کے ساتھ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اب جو کچھ میرے پاس ہے وہ بھی ٹکڑے ہیں۔ اتنے میں آپ لوگ آگئے میرے بدقسمتی حد سے گذر گئی ہے۔

کیا اب بھی آپ مجھے اپنی بدقسمتی پر روتا ہوا دیکھکر تعجب کرسکتے ہیں کیا میں واقعی بدبخت کمال نہیں ہوں، آج میری دنیا کی تمام امیدیں ختم ہوگئیں، اچھا ہوتا کہ میں مغلوں کی فوج کے ساتھ لڑتا ہوا مارا جاتا اور اس سے بھی زیادہ اچھا یہہ ہوتا کہ میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا، جو کام بھی میں نے کیا یا کرنے کی کوشش کی وہ کبھی سرسبز نہ ہوا، میرا نام بدبخت کمال ہے اور بدبختی نے مجھے اپنے لئے مخصوص کرلیا ہے۔

۲۱

کمال کی آہ وزاری کو فیاض الدین کی آمد نے موقوف کیا، بہت دیر تک بیکار انتظار کرنے کے بعد وہ یہہ معلوم کرنے کے لئے خود آگیا کہ کہیں کمال پر کوئی نئی مصیبت تو نہیں نازل ہوئی فیاض الدین ان سوداگروں کو دیکھ کر متعجب ہوگیا اور ٹوٹے ہوئے برتنوں پر نظر ڈالتے ہوئے کچھ پریشان سے جلے گئے۔ لیکن چونکہ دل والا اور نیک مزاج تھا کمال کو تسلی دینی شروع کی۔ برتن کے ٹکڑوں کو اٹھا کر غور سے دیکھا اور یکے بعد دیگرے جما نا شروع کیا، جب اُس کو معلوم ہوا کہ ان کے کنارے بالکل اچھے ہیں تو کہا۔

"فکر کی بات نہیں میں ان کو اس طرح جوڑ دونگا کہ برتن صحیح وسالم دکھائی دینے لگے گا" یہہ سُن کر کمال کی جان میں جان آگئی، اس نے کہا "بھائی جب میں دیکھتا ہوں کہ

تم خوش قسمت فیاض الدین ہو تو مجھے اپنے بدبخت کمال ہونے پر کوئی تاسف نہیں ہوتا"

اور سوداگروں سے اس طرح مخاطب ہوا۔

"دیکھئے یہہ شخص دنیا میں سب سے زیادہ خوش قسمت آدمی ہے، یہہ جہاں چند لمحوں کے لئے نکل آتا ہے بُرے سے بُرے حالات کو عمدگی میں منتقل کر دیتا ہے اسکی آمد مسرت و اطمنان کی روح پھونک دیتی ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے چہرے جو میری رنجیدہ کہانی کے باعث پژمردہ ہو گئے تھے اس کے آتے ہی پھول کی طرح شگفتہ ہو گئے۔

بھائی میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی سرگذشت بیان کرکے اس تمام کلفت کی تلافی کرو جو میری بدبختیوں کی داستان سنتے سنتے ان کی طبیعتوں میں پیدا ہوگئی ہے مجھے امید ہے کہ تمہارے حالات ان کے لئے نہایت مسرت بخش اور فائدہ مند بھی ہوں گے"

فیاض الدین نے کہا کہ "میں اپنے واقعات تو خوشی سے سناؤں لیکن شرط یہہ ہے کہ یہہ دونوں صاحب میرے گھر چلیں اور میرے ساتھ کھانے میں شریک رہیں" ان دونوں نے پہلے تو وہی بختی کے گھر جلد پہونچنے کی مجبوری کا عذر کیا لیکن آخر کار ان کے تجسس اور کمال کے اصرار نے انہیں خوش قسمت فیاض الدین کے ساتھ جانے پر آمادہ کر دیا۔ فیاض الدین نے کھانے کے بعد اپنا قصہ یوں شروع کیا:-

(۴۳)

میرا خوش قسمت فیاض الدین پکارا جانا پہلے پہل مجھ میں ایک قسم کی بے پروائی پیدا کر دینے کا باعث ہوا میں اس کا اقرار کرتا ہوں کہ میرے بچپن میں کوئی ایسا

غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا جس کی بناء پر میں اپنے کو خوش قسمت سمجھ سکتا میری ایک بوڑھی اناتھی جو دن میں کم از کم پچیس بار تو بھی اس قسم کے جملے ضرور دہرایا کرتی تھی کہ چونکہ میں خوش قسمت فیاض الدین ہوں اس لئے جو بھی کام کروں گا اس میں کامیاب رہوں گا یہہ جملے سنتے سنتے میں مغرور اور شریر بنتا گیا اور اگر پندرہ سال کی عمر میں مجھے ایک زبردست ٹھوکر نہ لگتی تو میری انا کی پیشین گوئیاں ہرگز پوری نہ ہوسکتیں۔

ان دنوں شہر میں ایک فرنگی آیا ہوا تھا، بادشاہ اور امیر امرا اس کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے، ایک روز بادشاہ کی سالگرہ کے دن اس نے آتش بازی کے عجیب عجیب تماشے دکھلائے، میں بھی شہر کے ہزاروں آدمیوں کے ساتھ تماشہ دیکھنے کے لئے پہونچا، مجھے اتفاق سے فرنگی کے قریب ہی جگہ مل گئی لوگ اس کو بالکل گھیرے ہوئے تھے۔ اس نے بڑی منت سماجت سے کہا کہ آپ لوگ کم از کم اپنی جانوں کی خاطر اس آتش بازی کے سامان سے ذرا دور رہیں ورنہ شدید نقصان پہونچیگا میں نے کوئی پرواہ نہ کی نتیجہ یہہ ہوا کہ ایک پھلجھڑی کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ وہ ایک دم چھوٹ گئی اور اس کے ساتھ ہی کئی چیزیں چھوٹ پڑیں میں اچھلکر دور جا گرا میرے جسم کا بہت سا حصہ جل گیا تھا۔

اس واقعہ کو میں اپنی بڑی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کیونکہ اس نے میری طبیعت کے لاابالی پن اور بیجا غرور کی خوب سزا دی، میرے فرش رہنے کے اثنا میں وہ فرنگی کئی دفعہ مجھے دیکھنے کے لئے آیا، وہ بڑا سمجھدار آدمی تھا اسکی گفتگو نے میرے خیالات میں وسعت پیدا کی

میرے کئی توہمات کو دور کر دیا اور خصوصاً اس خبط کو تو اس نے میرے دماغ سے بالکل نکال دیا کہ میں سرے سے خوش قسمت ہی ہوں اس نے کہا "گو تم خوش قسمت فیاض الدین پکارے جاتے ہو لیکن دیکھو سمجھ سے کام نہ لینے کی بناء پر عین جوانی ہی میں مر گئے ہوتے اُس وقت تمہاری خوش قسمتی کہاں گئی تھی، میری نصیحت مانو اور ہمیشہ سمجھ اور ہوشیاری سے کام لیا کرو، صرف قسمت پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھے رہو، ساری دنیا بھی اگر تمہیں خوش قسمت فیاض الدین کہے تو کہنے دو، لیکن تم خود کو عقلمند فیاض الدین بنانے کی کوشش کرو۔"

۲۳

اِن الفاظ نے میرے دماغ پر ایک اَنمٹ اثر کیا، میری سیرت اور خیالات میں انقلاب پیدا ہو گیا، بھائی کمال نے آپ سے کہا ہی ہو گا کہ قسمت کے متعلق ہماری رایوں کے اختلاف نے ہمیں کتنی دفعہ لڑا دیا ہے، لیکن آپ یقین جانئے کہ ہم کبھی ایک دوسرے کو تشفی نہ دے سکے ہم میں سے ہر ایک نے اپنے مخصوص ذاتی عقائد پر عمل کیا اور انہی کی بناء پر ایک نے عشرت حاصل کی اور دوسرے نے عُسرت۔

میری پہلی خوش قسمتی، غالباً آپ نے کمال سے سنا ہو گا، اس خرمزی رنگ کے باعث تھی، جس کو میں نے بدقت تمام تیار کیا تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ سفوف تو چینی کے برتنوں میں سے یکایک دریافت ہوا لیکن اگر اس کو کام میں لانے کے لئے میں محنت نہ کرتا تو آج تک وہ اسی حالت میں پڑا رہتا۔

واقعہ یہہ ہے کہ اگرچہ تمام انسان دنیا کی چیزوں کو ایک ساتھ دیکھتے ہیں اور زمانہ کی نیرنگیاں سب کی نظر سے گذرتی ہیں۔ لیکن اپنی ذاتی قوت سے کام لے کر ان اشیاء اور حالات کو اپنے مفید مطلب بناتے ہیں سب ایک نہیں ہیں حالانکہ اسی پر اُن میں سے ہر ایک کی قسمت کا دارومدار ہوتا ہے آپ میرے خیالات کے بہ نسبت میرے واقعات سننے کے زیادہ متمنی ہونگے لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ میرے حالات اس قدر تعجب خیز نہیں ہیں کہ انہیں خاص طور پر بیان کیا جائے۔ میں شروع سے آخر تک حیدرآباد ہی کا باشندہ رہا اور اپنی زندگی بالکل سکون کے ساتھ اور یکساں حالت میں گذار دی۔

چینی کے برتن کے ذریعہ سے جو دولت میرے ہاتھ لگی اس نے مجھے اعلیٰ پیمانہ پر تجارت کرنے کے قابل بنا دیا، چنانچہ میں نے مستعدی سے اپنا کاروبار جاری کیا اور ساری توجہ اس امر میں صرف کرنی شروع کی کہ گاہکوں کو ہر متعلقہ طریقہ سے خوش رکھوں محنت اور سلیقہ نے مجھے توقع سے زیادہ کامیاب بنایا، اور چند ہی سال میں اپنی تجارت کی وجہہ سے میں ایک مالدار آدمی بن گیا۔

میں اپنی زندگی کے ہر معمولی واقعہ کو بیان کرکے آپ حضرات کو زحمت دینا نہیں چاہتا اس وقت صرف وہ کام بیان کرنا چاہتا ہوں جنکے سبب سے میری زندگی نے ایک نئے رخ پر پلٹا کھایا

(۲۴)

ایک دفعہ بادشاہ دیوان کے محل کے قریب آگ لگ گئی .... آپ لوگ جبنی معلوم ہوتے ہیں اور اس بات سے واقف نہیں ہیں لیکن یہہ وہ واقعہ ہے کہ اس سے

تمام حیدرآباد میں کھلبلی مچ گئی تھی بعض امرا کے مکانات تو بالکل جل گئے تھے اِس آگ کے متعلق شہر میں مختلف خیالات مشہور ہوئے۔ ایک مہینہ تک کوئی محلہ ایسا نہ تھا جس میں کہیں نہ کہیں آگ نہ لگی ہو اور آدھی رات کے قریب لوگ آگ بجھانے نہ اٹھے ہوں۔

اس آتش کے بانی شہر کے بدمعاش تھے جو مغلوں سے ملے ہوئے تھے اور انھی کے اشارے سے قطب شاہی دار السلطنت کو تباہ اور یہاں کے باشندوں کو پریشان کر رہے تھے ان کی ایک اچھی خاصی جماعت تھی جو بازاروں اور خصوصاً کاروان کے تاجروں کے مکانوں میں چلتے چلتے آگ لگا دیتی تھی اور جب سب محلہ والے مکانوں کی آگ بجھانے میں مشغول رہتے ان میں سے بعض تو دکانوں کو لوٹ لیتے اور بعض آگ بجھانے کے حیلے سے مکان کے محفوظ حجروں میں پہونچکر جو کچھ ہاتھ لگے اٹھالیجاتے۔ اسطرح زوال سے پہلے ہی یہ شہر مغلوں کی سازش کا آماجگاہ بن چکا تھا۔

میرا مکان مناسب احتیاط اور نگرانی کے سبب سے ایک دفعہ بھی نہیں جلا، میں نے اپنی حفاظت کی حتی الامکان کوشش کی بغیر اس کا اطمینان کئے کہ باورچی خانہ کی آگ اور گھر کے تمام چراغ وغیرہ بجھ گئے ہیں میں کبھی نہ سوتا تھا۔ نیز تمام حوضوں میں کافی پانی جمع رکھتا تھا تاکہ بر وقت کام آسکے۔ یہی اسباب تھے کہ میرے مکان کو آگ نہیں لگی اور میرے ہمسایوں کا بھی زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ سبھوں نے مجھے اپنا خیر خواہ اور نجات دہندہ خیال کیا اور اچھے سے اچھے تحفے تحائف بھیجتے رہے

ان واقعات کے بعد سے ہر شخص مجھے خوش قسمت فیاض الدین پکارنے لگا۔

میں نے اس نام سے سخت ناراضی ظاہر کی اور کہا کہ "مجھے سمجھدار فیاض الدین" پکارو اگرچہ اس میں میرا غرور ظاہر ہوتا تھا لیکن میں ذہین مشہور ہونے سے مغرور بننا زیادہ پسند کرتا ہوں

(۲۵)

ایک رات میں ذرا دیر سے اپنے ایک دوست کے گھر سے تنہا اپنے مکان کو واپس ہو رہا تھا۔ سڑکوں پر سوائے چوکیداروں کے اور کوئی نہ تھا اور وہ بھی سو رہے تھے، جب میں کاروان کے بڑے حوض کے قریب سے گذرا تو پانی کے بہنے کی آواز سنائی دی، دیکھنے سے معلوم ہوا کہ حوض کے نیچے والی موری کا دہانہ کھول دیا گیا ہے جس کے باعث قریب قریب آدھا حوض خالی ہو گیا ہے، میں نے اس کو بند کر دیا۔ اور اپنا راستہ لیا لیکن ابھی تھوڑی دور جانے نہ پایا تھا کہ ایک اور حوض کا پانی بہتا ہوا دکھائی دیا یہہ حوض ایک مالدار ساہوکار کے گھر کے آگے تھا، میں نے اس کو بھی بند تو کر دیا لیکن سوچنے لگا کہ یہہ کام نادانستہ طور پر نہیں ہوا ہوگا۔ بلکہ کسی نے شرارت کے ارادے سے ایسا کیا ہے، غرض میں جب مکان کی طرف چلا تو راستے میں جتنے حوض تھے سب کا یہی حال پایا اب میں سمجھ گیا کہ آج رات حیدرآباد کے مکانوں کو ضرور آگ لگائی جائیگی میں نے فوراً اپنے ایک دوست منعم خاں کو جو حیدرآباد میں بہت بڑا تاجر تھا جگایا اور حالات سے مطلع کیا کہ آج رات ضرور آگ لگے گی خصوصاً تمہارا مکان تو بیحد خطرے میں ہے کیونکہ تمہارے گھر کا حوض خالی ہو گیا ہے۔

منعم خاں نہایت ہوشیار اور مستعد آدمی تھا اس کی وجہہ سے اس کے ملازمین بھی بڑے جانثار اور جفاکش بن گئے تھے اس نے یہہ حالات معلوم کر کے سب سے پہلے

دیوان کے پاس خبر بھیجی کہ وہ ہوشیار رہے اور شاہی عمارتوں کی حفاظت کرے نیز شہر کے بڑے بڑے امرا اور سوداگروں کے پاس کہلا بھیجا۔ غرض تمام شہر میں تھوڑے ہی عرصہ میں اعلان کر دیا گیا اور سب لوگ اس آنے والے خطرے سے ہوشیار ہو گئے۔

ابھی آدھا گھنٹہ بھی نہیں گزرنے پایا تھا کہ خود منعم خاں کی کوٹھی کے پچھلے حصہ میں آگ لگ گئی، لیکن لوگ چونکہ پہلے سے ہوشیار تھے آگ جلد بجھا دی گئی اور زیادہ نقصان نہونے پایا۔ اسی وقت اس ساہوکار کے مکان میں بھی آگ لگی جس کے سامنے والے حوض کو میں نے خالی ہونے سے بچایا تھا نیز اور کئی مکانات جلنے لگے لیکن چونکہ لوگ پہلے ہی سے واقف ہو گئے تھے اس لئے کسی کا زیادہ نقصان نہ ہونے پایا۔

۲۶

دوسرے دن جب میں بازار میں نکلا تمام سوداگروں نے مجھے گھیر لیا اور کہا "تم ہمارے خیر خواہ ہو اور پچھلی رات تم ہی نے ہماری جان و مال کو بچایا ہے" سب کے سامنے منعم خاں نے اشرفیوں کی ایک بڑی تھیلی پیش کی اور ایک بیش بہا ہیرے کی انگوٹھی میری انگلی میں پہنائی شہر کے امراء نے بھی میرے پاس قیمتی تحایف روانہ کئے دیوان نے بھی ایک بڑا ہیرا روانہ کیا اور لکھ بھیجا کہ "یہ اس شخص کا انعام ہے جس نے حیدر آباد کو آتش زدگی سے بچایا اور مغلوں کی ایک بڑی سازش کا قلع قمع کیا۔"

ان واقعات کے بیان کرنے میں بعض مغرورانہ جملے میری زبان سے نکلے ہیں امید کہ آپ مجھے معاف فرمائینگے، چونکہ آپ میری سرگذشت سننا چاہتے تھے اس لئے

میں اپنی زندگی کے اہم واقعات ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

غرض اس دن چوبیس گھنٹوں کے اندر ہی اندر میں جتنا مالدار اور شہر والوں کی نظروں میں جس قدر عزیز بن گیا اس کا مجھے پہلے خواب وخیال بھی نہ تھا۔ اب میں نے اپنی حثیت کے سبب ایک مکان لیا اور چند غلام مول لئے اور ملازمین بھی رکھے، ایک دفعہ مکان آرہا تھا کہ ایک کوہٹی نے ملکر کہا کہ "سرکار کے پاس بہت سے غلام ہیں اگر حکم دیں تو میں انکے لئے کم دام میں کپڑے تیار کرا دوں"

اس کوہٹی کے حالات کچھ مشتبہ سے تھے اور مجھے اسکے چہرے سے نفرت ہوگئی تھی لیکن میں نے خیال کیا کہ کاروبار میں اپنی وہم پرستی کو ہرگز دخل نہیں دینا چاہئیے۔ اور اگر یہہ شخص دراصل دوسروں کے مقابلے میں سستے کپڑے تیار کرا دے تو مجھے صرف اس بنا پر اس کی درخواست رد نہیں کردینی چاہئیے کہ اس کا چہرا منحوس ہے اور اس کے اطوار مشتبہ ہیں غرض میں نے کوہٹی کو ہمراہی کا حکم دیا اور کہا کہ میں اس پر غور کروں گا۔

مکان آکر جب میں نے اس سے باتیں کیں تو اس کی مدلل گفتگو اور سنجیدہ بحث سے متحیر رہ گیا، تاہم اس کی باتوں میں کہیں کہیں ضرور پانی مرتا تھا، میں نے اثنائے گفتگو میں اس سے دریافت کیا تھا کہ یہہ کپڑے اس نے کہاں سے حاصل کئے۔ لیکن یہہ سنتے ہی وہ فوراً گھبرا گیا اور مجھے شبہہ پیدا ہوا کہ ضرور دال میں کالا کالا ہے، میں سمجھ گیا کہ کپڑے یا تو چرائے ہوئے ہیں یا ایسے لوگوں کے ہیں جو کسی متعدی بیماری سے مرے ہیں۔

—— ۲۷ ——

کوہٹی نے اپنے نوکروں کے ذریعہ سے کپڑوں کا صندوق منگایا اور کہا کہ آپ ان سے

کھول کر ملاحظہ کیجئے جو کپڑے پسند آئیں لے لیجئے۔ اس سے آپ کو یہہ معلوم ہو جائیگا کہ کپڑے چرائے ہوئے ہرگز نہیں ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ تم خود کھولو۔ اس پر کوہٹی کے چہرہ کا رنگ فق ہو گیا بات بنانے کو اس نے کہا کہ میں اصلی کونجی بھول آیا ہوں اور ابھی لے آتا ہوں یہہ کہہ کر چلا گیا اور دوسرے روز اپنے غلاموں کے ذریعہ سے صندوق منگالیا۔

ایک زمانہ تک نہ وہ کوہٹی ملا اور نہ اس کے متعلق کوئی خبر ہی معلوم ہوئی لیکن ایک دفعہ جب میں منعم خاں کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہی کوہٹی سامنے کے دالان سے میری آنکھ بچاتے ہوئے دروازوں کے باہر نکل رہا ہے۔ میں نے منعم خاں سے کہا کہ "جناب! اگر آپ اس کو اپنے خانگی معاملات میں مداخلت نہ سمجھیں تو میں اس قدر دریافت کرنے کی جرات کرتا ہوں کہ آپ کے تعلقات اس کوہٹی کے ساتھ کس قسم کے ہیں؟" اس نے جواب دیا کہ

"یہہ کوہٹی میرے غلاموں کے لئے بہت ارزاں کپڑے تیار کر رہا ہے، میری لڑکی رضیہ کی شادی میں میرا خیال ہے کہ تمام اقربا اور ملازمین کو اچھے کپڑے پہناؤں خصوصاً رضیہ کی سہیلیوں کے لئے تو اچھے کپڑے لازمی ہیں۔" میں نے اپنے دوست سے کوہٹی اور اسکے کپڑوں کے متعلق اپنے شبہات بیان کئے جیسا میں نے ابھی کہا ہے منعم خاں بڑا ہوشیار اور چالاک آدمی تھا، اس نے فوراً تحقیقات شروع کی، اسکے ہمسایہ میں ایک فوجی افسر رہتا تھا، یہہ افسر اس فوج میں بھی موجود تھا جس میں کثرت سے وبا پھیل گئی تھی منعم خاں نے اس سے کوہٹی کے حالات دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ وہ سپاہیوں کو لالچ دے دے کر وبا کے بیماروں اور مردوں کے کپڑے جن کو جلانے کا حکم تھا خود حاصل کر لیتا تھا اور اس وقت

اسکے پاس جو کپڑے ہونگے وہ غالباً وہی کپڑے ہوں گے۔

منعم خاں اور اس فوجی افسر نے فوراً کوتوال کو اطلاع دی کہ اگر اس کوٹھی اور اسکے کپڑوں کو جلد سے جلد گرفتار نہ کرلیا جائیگا تو وہ حیدرآباد میں بھی وبا پھیلادیگا، لیکن قبل اس کے کہ وہ گرفتار کرلیا جاتا کوٹھی اپنے کپڑوں سمیت شہر سے فرار ہو گیا تھا۔ تحقیق و تفتیش سے معلوم ہوا کہ اس نے گلبرگہ کا رخ کیا ہے، ہمیں خوشی ہوئی کہ ہم نے حیدرآباد کو وبا سے بچالیا

میرے دوست منعم خاں نے میرا نہایت گرم جوشی سے شکریہ ادا کیا کہ تم نے اس سے قبل میرے مال و دولت کو بچایا تھا اور اب میری جان بچائی اور نہ صرف میری جان بلکہ میری عزیز ترین بیٹی یعنے رضیہ کی جان بھی!

اس نام نے مجھ پر ایک خاص اثر کیا اور میں اس راز کو چھپا نہ سکا، میں ایک دفعہ رضیہ کو اچانک دیکھ چکا تھا اور اسی وقت سے اس کے حسن پر شیدا ہو گیا تھا۔ لیکن جب میں یہہ جانتا تھا کہ اس کی شادی ایک دوسرے تاجر کے لڑکے سے ہونے والی ہے تو اپنے جذبات کو روکتا اور اس کے خیال کو دل سے نکال دینے کی کوشش کرتا رہا۔ اس وقت اسکے باپ نے اسکا ذکر چھیڑ کر میرے جذبہ کو نئے سرے سے تازہ کر دیا تھا جس کی وجہ سے میں اپنا وقتیہ اضطرار چھپا نہ سکا۔

۲۸

منعم خاں میری باطنی حالت کو سمجھ نہ سکا۔ اس نے اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ احسان فراموشی ہو گی اگر میں تمہیں اپنی لڑکی کی سالگرہ کی تقریب میں دعوت نہ دوں

تیسرے دن سالگرہ کی دعوت تھی میں بھی گیا، اس دن منعم خاں نے معمول سے زیادہ آؤ بھگت کی اور سب دعوتیوں کے رخصت ہونے تک مجھے روک رکھا جب سوائے میرے کوئی اور باقی نہ رہا تو اپنے ہونے والے داماد کی شکایتیں شروع کیں کہ :-

"میرا کچھ بھی لحاظ نہیں کرتا چنانچہ آج کی دعوت میں بھی نہیں آیا۔ اور نہ رضیہ کے لئے کپڑوں کا جوڑا اور پھول روانہ کئے، میں اس مغرور سے بیزار ہو گیا ہوں، سنا کہ وہ نشہ باز ہے اور ملازموں کے ساتھ اس کا برتاؤ نہایت خراب ہے، فیاض الدین تم جانتے ہو میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور مجھے اس وقت ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو میرے کاروبار کو خوبی سے چلائے اور رضیہ میری جان سے زیادہ عزیز رضیہ کو خوش رکھے۔"

میں نے کہا کہ "جناب اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں آپ کے داماد سے ملتا ہوں اور سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں ممکن ہے کہ وہ راہ راست پر آجائیں۔"

منعم خاں نے ایک آہ سرد کھینچی اور کہا کہ "اب وقت نہیں رہا اس میں میری اور بھی سبکی ہوتی ہے، فیاض الدین اگر تم ناراض نہ ہو تو میں تم سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا تم نے اپنی شادی کی اب تک کوئی فکر کی ہے؟"

اس غیر متوقع سوال پر میں حیران رہ گیا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا کہ "میرا ہر کاروبار آپ پر ظاہر ہے چونکہ آپ مجھ پر باپ کے مانند مہربان نظر آتے ہیں اس لئے اس قدر کہنا مناسب سمجھتا ہوں کہ مجھے اب تک شادی کی فکر کرنے کا موقع نہیں ملا ہے، اور چونکہ میرے سر پر کوئی بڑا بوڑھا شخص نہیں ہے اسلئے میں آج کل میں آپ ہی سے اسکے متعلق مشورہ لینا چاہتا تھا"

اس کے بعد ایسی پرخلوص گفتگو رہی کہ آخر میں منعم خاں کو کہنا پڑا کہ:۔

"میں نے اب تک تمہارے کردار کا بہت غور سے مطالعہ کیا ہے میں نے دیکھا کہ تمہاری عقل ہمیشہ فتحمند رہی ہے، اس لئے میں رضیہ کو تمہارے سپرد کرتا ہوں مجھے یقین ہے کہ تم اس کو خوش رکھو گے۔ اس میں شک نہیں کہ میں نے جس شخص سے شادی کر دینے کا وعدہ کیا تھا وہ تم سے بہت زیادہ مالدار آدمی ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ بدکردار اور نشہ باز ہے، غلاموں کو بے موقع سزائیں دیتا ہے، خدا کی قسم میری لڑکی ایک ایسے شخص کے پاس ہرگز خوش نہیں رہ سکتی جو ساری رات دیوانہ بنا رہتا ہو اور سادا دن اول درجہ کا بدمعاش۔ مجھے اس کی ناراضی اور خفگی کا کوئی ڈر نہیں، میں اس سے زیادہ مالدار اور صاحب اثر آدمی ہوں"۔

چند روز بعد ہی میرا نکاح ہو گیا، اور اس روز سے خوب صورت رضیہ میری شریک زندگی ہے۔ اگرچہ میری شادی کو عرصہ ہوا لیکن میں اب بھی اس کو خوبصورت رضیہ کہتا ہوں وہ میرے لئے خوشی اور فخر کا باعث ہے، ہماری آپس کی محبت ہماری روزمرہ زندگی کے معمولی معمولی واقعات میں بھی وہ لذت پیدا کر دیتی ہے جو بڑی بڑی کوششوں سے حاصل ہونے والی فتحمندیاں بھی نہیں پیدا کر سکتیں، اس وقت میں اسی مکان میں ہوں یہ انہی کے والد کا دیا ہوا ہے انہوں نے اپنے سارے جواہر اور ہیرے بھی میرے حوالہ کر دیئے جن کی بنا پر میں آج اس قدر مال و دولت کا مالک ہوں کہ پہلے مجھے اس کا خیال بھی شاید ہی گزرا ہو۔

دولت مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں حاجتمند لوگوں کو اس میں سے کچھ دیا کروں، اسی لئے میں اپنے بھائی کمال کو بھی مجبور کروں گا کہ وہ اپنی بدقسمتیوں کو بھول جائے اور خود کو میری

غیر محدود دولت کا حصہ دار سمجھکر اپنی باقی ماندہ زندگی کے ایام مسرت و اطمینان کے ساتھ گذارے کامنی بائی کے آئینے اور تمہارے برتن کے متعلق اے میرے پیارے بھائی میں کچھ نہ کچھ ترکیب ضرور نکالوں گا........

۲۹

فیاض الدین یہاں تک کہنے پایا تھا کہ "پیر و مرشد" نے اپنا سوداگرانہ بھیس بدل دیا اب فیاض الدین اور کمال کو معلوم ہوا کہ جس بزرگ تاجر کے ساتھ وہ شام سے باتیں کر رہے تھے وہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر غازی ہے' اب انہیں اس خبر کا یقین ہو گیا کہ بوڑھا شاہنشاہ روز راتوں کو بھیس بدل کر نکلتا ہے۔ اورنگ زیب نے کہا "کامنی کے آئینے اور ٹوٹے ہوئے برتن کے متعلق فکر نہ کرو' فیاض الدین! میں تمہارے واقعات سنکر بہت خوش ہوا' روح اللہ خاں اب بھی تم اپنی غلطی کو ماننے کے لئے تیار ہو یا نہیں؟ خوش قسمت فیاض الدین اور بدبخت کمال کے حالات سننے کے بعد اب تمہیں یقین ہو گیا ہو گا کہ انسان کی زندگی پر حادثات اور غیر معمولی واقعات سے زیادہ عقلمندی اور محنت کا اثر پڑتا ہے' فیاض الدین کی فتحمندی اور مسرت عقلمندی کا ثمرہ ہے' اسی کی وجہ سے حیدرآباد و بائی بیماری سے محفوظ رہا' اگر کمال میں بھی اس کے بھائی کی جیسی سمجھ ہوتی تو نہ اس کی گردن اڑانے کا حکم صادر ہوتا' نہ بیل اسکو لات مارتا نہ انگوٹھی کی چوری کا الزام اس پر عائد ہوتا' نہ فوجی لوگ اسکی اشرفیاں چرا سکتے' نہ اس کو گولیوں کا نشانہ بناتے' نہ وہ جنگل میں بھٹکتا پھرتا' نہ کوئی دھوکہ دے سکتا نہ روئی کے گودام کو آگ لگتی' نہ وہ گلبرگہ میں وبا پھیلاتا' اور نہ

کامنی بائی کے آئینہ کو توڑنا" آج سے بدبخت کمال کا نام بیوقوف کمال رکھا جائے۔

اور فیاض الدین کو جس نام کی خواہش ہے وہ آج سے اس کا خطاب ہے۔

اس خطاب کے علاوہ "عقلمند فیاض الدین" کو شاہی دربار میں بھی جگہ دیجا سکتی ہے

میں نہیں سمجھتا تھا کہ اس "دارالجہاد" میں اب بھی ایسے دولتمند تاجر موجود ہیں!!"

۳۰

"دوسرے روز صبح میں خدامان شاہی فیاض الدین کی حویلی میں داخل ہوئے اور شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر غازی کا حکم پہنچایا کہ:۔

"عقلمند فیاض الدین کے یہاں گولکنڈہ کے جتنے ہیرے محفوظ ہیں ان سب کو ملاحظہ سلطانی میں پیش کیا جائے"

فیاض الدین حیران تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید "عقلمند فیاض الدین" کہلانے سے "خوش قسمت فیاض الدین" کہلانا ہی زیادہ بہتر ہے۔

خدامان شاہی کو دیکھکر بدبخت کمال بھی فیاض الدین کے قریب آگیا۔ بھائی کو دیکھتے ہی فیاض الدین نے کہا کہ:۔ "اب میرا یہ خیال غلط ثابت ہو رہا ہے کہ عقلمندی اور خوش قسمتی میں چولی دامن کا سا تعلق ہے"

بدبخت کمال نے جواب دیا:۔

نہیں بھائی میں اب بھی یہی کہوں گا کہ میری بدقسمتی کا تم پر بھی اثر پڑھ رہا ہے

ورنہ تم اپنی عادت اور دور بینی کے خلاف اجنبیوں کے سامنے اس قدر کھل کر گفتگو نہ کرتے اور نہ اس ذراسی بے احتیاطی کی وجہہ سے گولکنڈہ کے ہیرے ہاتھ سے جانے پاتے۔

مصنّف کی دُوسری کتابیں

۱۔ سیر گولکنڈہ باتصویر۔ صفحات ۱۶۰۔ قیمت ۱۵ر

یہہ مصنف کے ان سولہ افسانوں کا مجموعہ ہے جن میں گولکنڈہ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بے نقاب کیا گیا ہے یہہ اصل میں "گولکنڈہ کے ہیرے" کا پہلا حصہ ہے۔ اسکے آخر میں گولکنڈہ کے تاریخی آثار کی موجودہ حالت کا خاکہ اور دیباچہ میں گولکنڈہ کے حکمرانوں کی مختصر تاریخ بھی لکھدی گئی ہے۔ اس کتاب میں بارہ عکسی تصاویر ہیں جن میں سے اکثر نایاب ہیں۔

۲۔ روحِ تنقید۔ تیسرا ایڈیشن۔ ۲۹۰ صفحات۔ قیمت عہ۱۲

روحِ تنقید آپ نے بڑی محنت اور قابلیت سے لکھی ہے۔ میں آپکی اس کوشش کو بہت ہی قابلِ قدر تسلیم کرتا اور اردو لٹریچر کی جانب سے آپکا شکر گذار ہوں۔ عبدالحلیم شرر لکھنوی

اپنے موضوع پر اس صدی کی سب سے نمایاں کتاب کہی جا سکتی ہے۔ فاضل مولف نے اسقدر کاوش کی ہے کہ شاید ہم جیسے متعلمین بھی انکے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر سکیں عبداللہ العمادی دارالترجمہ

تمام موصولہ کتابوں میں سب سے بہتر تالیف سید محی الدین قادری زور کی ہے جسے روح تنقید کے نام سے انہوں نے شائع کی ہے..... تمام عنوانوں کے تحت فاضل مولف نے اس قدر اچھا مفید اور پُر از معلومات مواد پیش کیا ہے کہ بے اختیار جامع کی محنت و کاوش کی داد دینی پڑتی ہے..... جناب زور کا اردو پر احسان عظیم ہے کہ انہوں نے اس فن کے متعلق ایسی بیش بہا تصنیف پیش کی ہے۔ نیاز فتحپوری

۳۔ تنقیدی مقالات۔ طبع دوم۔ ۲۹۶ صفحات قیمت ۳؎

اعلیٰ اصول تنقید نگاری کی وضاحت کیلئے اُردو کے بہترین ادیبوں اور کارناموں پر بلند پایہ تنقیدیں میر تقی میر، میر حسن، میر امن، میر انیس، سودا، غالب، حالی، کیفی، اقبال، اکبر، جوش، عظمت اور سلیم وغیرہ کے کلام اور تصنیفات پر تفصیلی ناقدانہ نظر۔ یہ کتاب ہندوستان کے مختلف جامعات میں اُردو ادب کے نصاب میں شامل ہے۔

۴۔ اُردو کے اسالیب بیان۔ طبع سوم۔ ۱۷۶ صفحات قیمت عہ/

اُردو نثر نگاری کی تاریخ جس میں آغاز سے عہد حاضر تک کے بلند پایہ اور معیاری اردو انشا پردازوں کی نثر اور اسکے اسلوب کی خصوصیات پر ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ موجودہ نثر نگاروں کے اسالیب پر جداگانہ اور مستقل تبصرہ۔ جدید اُردو نثر کے رجحانات اور اس کے مستقبل کے متعلق مشورے۔

۵۔ اُردو شہ پارے۔ باتصویر۔ بڑی تقطیع۔ ۴۰۰ صفحات قیمت ۱۲؎

اردو کے آغاز سے ولی اورنگ آبادی تک کے اُردو ادب (نثر و نظم) کے متعلق جدید ترین تحقیقات اور ادبی کارناموں کے تفصیلی نمونے جو یورپ و ہندوستان کے متعدد کتبخانوں کے کمیاب قلمی نسخوں سے منتخب کئے گئے ہیں۔ قدیم الفاظ کی فرہنگ اور محققین کیلئے مفید ضمیمے شامل ہیں۔ قدیم شعرا اور قدر دانان سخن کی بیش بہا قلمی تصاویر کے عکس بھی شریک ہیں۔

۶۔ عہد عثمانی میں اُردو کی ترقی۔ اوسط تقطیع۔ ۲۰۲ صفحات قیمت عہ/

گذشتہ پچیس تیس سال سے اُردو ادب میں جو ترقیاں ہوئی ہیں انکا نہایت مفید اور مکمل تذکرہ جامعۂ عثمانیہ اور دار الترجمہ کی مستند تاریخ، حیدر آباد کے جملہ اُردو ادیبوں اور شاعروں وغیرہ پر مکمل تبصرہ، عہد حاضر کے علمی و ادبی رجحانات پر ناقدانہ نظر۔

۷۔ سلطان محمود غزنوی کی بزمِ ادب۔ ۱۱۷ صفحات۔ قیمت عمر

غزنین کے فارسی شاعروں اور وہاں کی ادبی و علمی چہل پہل کا مبسوط تذکرہ سلطان محمود کی کی ادبی سرپرستیاں اور اسکے دربار کے شعرا کے حالات اور کلام پر تبصرہ فارسی زبان پر ان شعرا کی کاوشوں کا اثر وغیرہ

۸۔ ہندوستانی صوتیات (بزبان انگریزی) ۱۱۶ صفحات۔ قیمت عہ

اُردو زبان کا صوتی تجزیہ و تشریح جو سوربون (پیرس یونیورسٹی) کے مشہور ادارۂ صوتیات میں دو سال تک عملی تحقیقات کرنے کے بعد مرتب کیا گیا ہے۔ اُردو زبان کے متعلق پہلی فنی و علمی کتاب جس میں جدید ترین عملی صوتیاتی آلوں اور گردوتوں کے نتائج کے تقریباً بچھتر فوٹو اور نقشے شامل ہیں

۹۔ ہندوستانی لسانیات۔ بڑی تقطیع۔ ۱۶۰ صفحات قیمت عل

اُردو زبان کا لسانی تجزیہ و تشریح جسکے پہلے حصہ میں علم لسان کے مقاصد، قواعد، تاریخ، اور زبان کی ماہیت ارتقاء، اور تشکیل سے متعلق عام اور اصولی معلومات قلمبند کرکے دنیا کی زبانوں کی تقسیم، مختلف خاندان اور خاصکر ہندوستان کی زبان پر بحث کیگئی ہے۔ اور دوسرے حصہ میں اُردو کے آغاز، ارتقا، ادبی بولیوں، اور ہمہ گیری پر جدید ترین تحقیقات پیش کرکے اردو ہندی کے جھگڑے اور اُردو کے جدید رجحانوں اور ضرورتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۰۔ فنِ انشا پردازی۔ اوسط تقطیع۔ ۱۱۶ صفحات۔ قیمت عمر

اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب مضمون نگاری اور انشا پردازی کے راز اور فن تحریر میں کامیابی کے عملی طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ اُردو زبان میں ہر قسم کے موضوعوں پر لکھنے کی ترکیبیں اور انشا پردازی میں کامیابی حاصل کرنے کے وسائل
